تیری طلب کے سیپ اٹھائے

آسیہ مرزا

کھٹاک سے دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ایزل سے نظریں ہٹا کر دروازے کی سمت دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بے پروا انداز میں اندر داخل ہوئی تھی۔

''کتنی دفعہ کہا ہے دروازہ ناک کر کے آیا کرو۔''

اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے برش ٹرے میں رکھ دیا۔

''اور کتنی دفعہ کہوں کہ اس طرح بغیر ناک کیے آنے میں کیا قباحت ہے آخر؟''

وہ اطمینان سے بولی۔ پھر مسکین سی صورت بنا کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''سوری عمر بھائی۔ پتا نہیں کیوں میں ہر بار آپ کی تاکید بھول جاتی ہوں۔ شاید یادداشت بہت خراب ہو گئی ہے۔ اسی لئے تو امی کہتی رہتی ہیں جریرہ بیا کرو۔''

اس کی آنکھوں کی تہوں میں شرارت مچل رہی تھی اور خوش نما ہونٹوں پر معصوم سی مسکراہٹ بھی۔

اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ البتہ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیا کام ہے؟ کیوں ڈسٹرب کیا ہے مجھے؟''

''آپ بھول گئے۔ میں نے رات فون پر آپ کو بتایا تھا۔'' وہ اس کی بے خبری پر برامان کر بولی۔ مگر وہ ہنوز انجان بلکہ غائب دماغی سے کھڑا اسے تکتا رہا۔

''اُفوہ۔ بتایا تو تھا کہ ہمارے کالج میں اسٹوڈنٹ ویک منایا جارہا ہے اور اس میں سب ہی اپنے اپنے مہمان لا رہی ہیں۔ میرے ساتھ ممی اور پاپا تو نہیں آئیں گے۔ لازماً آپ کو آنا ہے۔ بلکہ ہر حال میں۔ دیکھیں میں انکار نہیں سنوں گی۔'' اس نے اسے مزید بولنے سے ٹوک دیا۔

''میں نے تم سے غالباً فون پر ہی معذرت کرلی تھی۔ کیا کمی ہے تمہارے پاس لوگوں کی۔ ددھیال بھرا پڑا ہے تمہارا۔ رنگ برنگے لوگوں سے'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''مجھے ان رنگ برنگے لوگوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس میں آپ کو لے جانا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کے صاف ستھرے نکھرے بیڈ پر پاؤں چڑھا کر بیٹھ گئی اور تکیہ گود میں دبالیا۔ گویا اس کا کھسکنے کا ارادہ بالکل نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی اس بے وقت کی مداخلت پر ڈسٹرب ہوا تھا اوپر سے وہ بضد تھی ایسے کام پر جو اسے کم از کم وقت کا زیاں اور اپنے مزاج کے خلاف دکھائی دے رہا تھا۔

''عینیہ پلیز!''

''نو پلیز۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا دیا۔ پھر تکیہ اپنے آگے زور سے بھینچ کر اس پر مکا مارتے ہوئے بولی۔ ''آخر آپ میری بات مانتے کیوں نہیں ہیں۔ کبھی۔ ٹھیک ہے آپ نہیں آتے تو نہ آئیں۔ میں بھی نہیں جاتی۔ بھلے سے میری فرینڈز مجھے قتل کر دیں۔''

وہ اس کی بچگانہ بات پر مسکرا کر رہ گیا۔

''میری ساری فرینڈز آپ سے ملنے کی خواہش مند ہیں۔ اسی لئے تو میں آپ کو لے جانا چاہتی ہوں۔'' وہ دونوں پیر بیڈ سے لٹکا کر بیٹھ گئی اور ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں نے انہیں بتایا تھا کہ آپ ایک بہترین مصور ہیں۔ فاریہ آپ کی تصاویر کی نمائش الحمرا میں دیکھ چکی ہے تب سے وہ غائبانہ آپ سے انتہائی متاثر ہوچکی ہے۔''

عینیہ کی یہ باتیں اس کے لئے کسی قسم کی خوشی و مسرت کا باعث نہ تھیں۔

''آپ کو پتا ہے لڑکیاں تو اپنے کزنز کو شو مارنے کے لئے لے آتی ہیں۔ ایمان سے عمر بھائی۔ آپ میرے ساتھ آئیں گے نا تو یہ فاری لوگ تو جل کر رہ جائیں گی۔''

''تو تم کیوں جلانا چاہتی ہو انہیں۔'' وہ اسکی کسی بات کو سیریس نہ لے رہا تھا۔ وہ برامان کر انہیں گھورنے لگی۔ پھر پلکیں جھپک کر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے بولی۔

''ایک بار وہ بھی اپنے سڑے سے کزن کو لے کر آئی تھی اور خوب شو مارتی رہی تھی۔ آپ تو اتنے ڈیسنٹ۔ اتنے اسمارٹ ہیں۔ کیا میرا ذرا بھی حق نہیں بنتا شو آف کرنے کا۔''

پتا نہیں وہ اس کی اتنی دیوانی کیوں تھی۔ اسے تو عمر کے چلنے کا بیٹھنے کا مسکرانے کا ہر ہر انداز پسند تھا۔ نہ جانے وہ کون کون سی خوبیاں اسکی بیان کرتی۔ مگر وہ قطعاً خوش نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی بچپن کے بوئے بیج اب اندر سے تناور درخت بن چکے تھے۔ خوش فہمی کا کوئی جھونکا اسے نہیں جھنجوڑتا تھا۔

''تم فہد کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ بھی کزن ہے تمہارا۔ اور پھر اسے اس طرح کے فنکشن اٹینڈ کرنے کا تجربہ بھی ہے اور اس طرح کی گیدرنگ وہ پسند بھی کرتا ہے۔ اسے انجوائے کرتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ تم بھی انجوائے کرو گی۔'' وہ دراز کھول کر سگریٹ کا

پیکٹ تلاش کرنے لگا اور جونہی پیکٹ اٹھانے لگا اس نے لپک کر وہ جھپٹ لیا اور جلدی سے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ اچھی طرح واقف تھی یہ شے اس شخص کی کمزوری تھی۔

''مینیہ پلیز۔ تنگ نہ کرو۔'' وہ جیسے عاجز آ گیا۔

کچھ جھنجلاہٹ اس کے چہرے پر بھی سمٹ آئی۔ وہ کھلکھلا پڑی۔

شفاف تر و تازہ اور شگفتہ ہنسی نے لمحہ بھر کے لئے کمرے کے سکوت میں ہلچل مچا دی۔ اس خوبصورت ہنسی نے مسحور کن فضا تازہ کر دی۔

''فہد ہی کو لے جانا ہوتا تو میں آپ کا سر کیوں کھا رہی ہوتی۔ وہ میری فرینڈز سے الٹی سیدھی بکواس کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ مجھے نہیں لے جانا اسے۔''

جانے کیوں اسے گورے چٹے فہد میں کوئی متاثر کن بات نہیں لگتی تھی۔ یہ تو امی ہی تھیں جو اس کے گیت الاپتی رہتی تھیں۔ اس کی گھر آنے پر خاطر مدارت کرنے بیٹھ جاتیں۔ ان کا بس چلتا تو آسمان کے تارے توڑ کر اس کے قدموں میں بچھا دیتیں۔

''فہد صرف شرارتی ہے۔ یقین کرو تم اس کے ساتھ انجوائے کرو گی۔''

''ضرور کروں گی۔ مگر میں کل آپ کو لے جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

''اچھا۔ بابا جیسی تمہاری مرضی۔ اب یہ پیکٹ تو ادھر دو۔'' اس نے جھنجلا کر رضا مندی دے دی اور ہاتھ آگے کر دیا جس پر اس نے ہنستے ہوئے اور تھینک یو کے ساتھ سگریٹ کا پیکٹ رکھ دیا۔ اور پھر ایک گہری طویل قسم کی سانس بھرتے ہوئی بولی۔

''میں تو سوچ رہی تھی کہ نانو کا تعاون حاصل کرنا پڑے گا۔ اس پورے گھر میں آپ ایک انہی کی بات تو مانتے ہیں اور کچھ کچھ تیمور ماموں کی۔'' وہ اس کی سمت شرارت آمیز انداز میں دیکھ رہی تھی پھر اسکی جان چھوڑتے ہوئے احسان کرنے والے انداز میں

اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ میرا خیال ہے آپ نے زندگی میں پہلی بار میرا مان رکھا ہے۔ میں کس قدر خوش ہوں آپ شاید اندازہ نہیں کر سکتے۔ تھینک یو عمر بھائی۔''

وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اور وہ ہونٹ بھینچے دروازے کو تکتا رہ گیا۔

راستے بھر وہ اس کے کان کھاتی رہی پھر کیسٹ پلیئر میں کیسٹ اٹھا کر لگا دی۔ ''کیا کر رہی ہو۔ بند کرو اسے۔'' وہ اسے ڈانٹنے لگا مگر ہنوز اس غزل کی طرف متوجہ رہی۔

ع کون کہتا ہے محبت کی زبان ہوتی ہے
یہ حقیقت تو نگاہوں سے بیان ہوتی ہے
وہ نہ آئیں تو ستاتی ہے خلش سی دل کو
وہ جو آئیں تو خلش اور جواں ہوتی ہے

مینیہ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا مگر اسے لگا خود اس کا اطمینان بکھر گیا ہو۔ اس نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر آف کرنا چاہا تو وہ ملتجی ہو کر جلدی سے بولی۔

''رہنے دیں نا پلیز۔'' پھر دھیرے سے بولی۔ ''مجھے بھی تو پتا چلے آپ کی چوائس کا۔ آپ تو اس بند کتاب کی طرح ہیں جو کھلتی ہی نہیں ہے۔ جیسے کوئی پرسنل ڈائری۔ جسے کھولنے کی کوئی ہمت نہ کر سکے۔''

اس کا ہاتھ ٹھٹھک کر رہ گیا وہ بے ارادہ ہی اسے دیکھ کر رہ گیا۔ جو کیسٹ سے نکلنے والی غزل میں محو تھی۔ یا پھر دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ مگر اسے لگا جیسے

وصول ہی وہاں میں [illegible] رہی ہو۔

[illegible] ہوں گی تمہیں۔ میری [illegible] بیان کر [illegible]

ہوئے بولا۔ [illegible] آف کر دیا [illegible] طرف [illegible]

بولی۔

"آپ کی پرواہ آپ کی طرح لاجواب ہے۔"

لیکن ایسی باتوں پر خوش [illegible] حقیقت [illegible]

[illegible] سے وہ [illegible] اپنی تمام [illegible] کے ساتھ [illegible]

[illegible] ہو گیا۔ ایسی ہی [illegible] اس کے چہرے پر [illegible]

تھی۔ حبیبہ نے [illegible] اس کی طرف دیکھا تھا۔ [illegible]

تعریف پر اسی طرح کے [illegible] اس کے چہرے پر [illegible]

[illegible] واضح ہوتی۔

[illegible] اپنی مصنوعی تعریف پر بھی [illegible] تھا۔ [illegible]

جانے لگتا تھا اور تعریف کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا تھا۔

اس نے [illegible] نگاہوں سے اسے دیکھ کر [illegible]

جاذب نظر دکھائی دے [illegible] ساری کشش آنکھوں میں تھی۔ [illegible]

آنکھیں۔ [illegible] کے مطابق [illegible] کرتا تھا اور ایسے میں اس کی

شخصیت میں ایسی کشش سی آتی جو حبیبہ کو اپنے دل پر [illegible] محسوس ہوتی۔

اس کا پورا گروپ چھ شرارتی لڑکیوں پر مشتمل تھا۔ جو کالج کا ذہین ترین اور حاضر جواب گروپ مانا جاتا تھا۔ تعلیمی میدان میں اول تھا ہی ان سے ہٹ کر دوسری سرگرمیوں میں بھی ہمیشہ آگے رہتا تھا۔

وہ [illegible] کے ساتھ [illegible] ہوئی تو اس کا پورا گروپ دروازے پر ہی اس کے [illegible]

[illegible]

تمہیں [illegible]

تعریف [illegible] آپ [illegible]

وہ پورا گروپ [illegible] کی نظریں حبیبہ کے [illegible]

[illegible]

حبیبہ نے [illegible] شعر [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے کہ [illegible] شناس نہیں

وہ [illegible] کہ شاعر بنا دیا مجھ کو

اس نے گویا اپنے اس [illegible] ثبوت پیش کیا [illegible]

طرف [illegible]

''یہ فاریہ احمد ہے جو اچھی اچھی کتابوں اور خوبصورت تصویروں کی دیوانی ہے۔''
''تصویروں کی ہی نہیں تصویر بنانے والوں کی بھی۔'' اس نے جواباً مینہ کو شہوکا مارا اور فدویانہ انداز میں عمر کو دیکھنے لگی۔ وہ جھینپ سا ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''یہ رابعہ رضا ہیں ہمارے گروپ کی سب سے کم گو۔'' اس نے فاریہ کو چٹکی بھر کر مزید تعارف کا مرحلہ آگے بڑھایا۔

''اب اتنی کم گو بھی نہیں ہیں۔'' بقول شاعر

یہ اور بات ہے کہ منبر پہ آ کے کچھ نہ کہیں
خاموش لوگ بلا کے خطیب ہوتے ہیں

ایمن کی چلبلی فطرت اسے بولنے سے باز نہ رکھ سکی۔ ایک بار پھر اس شریر گروپ کی کھل کھلاہٹیں عمر کے اردگرد بکھر گئیں۔ اگر اس وقت فہد ہوتا تو یقیناً انجوائے کرتا۔ مگر وہ اپنی فطرت کے خلاف یہ سب برداشت کر رہا تھا۔

''اور یہ میمونہ قریشی ہیں عرف موٹو۔ کھانے پینے کی از حد شوقین اور نیند کی رسیا۔'' اس نے ایک صحت مند لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا فربہی مائل سراپا از خود اس کے دونوں شوق کا ترجمان تھا۔

''یہ عموماً ابن انشاء کے اس شعر کی تفسیر نظر آتی ہیں۔''

نیند ہی نیند ہے آنکھوں میں
اب ہم کو نہ اٹھانا لوگو

''امی کی بچی۔ تو چپکی نہیں رہے گی۔'' موٹو نے اسکے بازو میں اپنی مضبوط صحت مند انگلیاں گاڑ دیں۔

وہ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور عمر کا خیال تھا وہ برا پھنسا تھا۔ اس کا ضبط

جواب دے رہا تھا۔

''یعنی اب ان کا تعارف بھی تو کراؤ نا۔'' فاریہ اس کے خاموش ہونے پر بولی۔ تو اس نے بے ساختہ نظریں عمر پر جما دیں۔ اس کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ عجب سا خمار آنکھوں میں ہلکورے لینے لگا۔ پھر دھیمے آنچ دیتے لہجے میں بولی۔

ع تم نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جس کے تصور میں لٹا دی ہے ہم نے

اس کا لہجہ خمار آلود تھا۔ نگاہوں میں والہانہ چمک لیے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اس لمحے وہ یقیناً فراموش کر گئی تھی کہ وہ کہ اس وقت کہاں کھڑی ہے۔ کن کے درمیان۔ پورا گروپ اوئے اوئے کرنے لگا۔ جبکہ عمر کو لگا اس کے اردگرد بجلیاں کڑک گئی ہوں۔ اس کے اعصاب پر زبردست چھر پڑا تھا۔ اس کی پیشانی یوں جل اٹھی جیسے کسی نے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں اسے دھکیل دیا ہو۔

تم پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

ایک خود فراموشی اور وارفتگی کے عالم وہ اسے تکے جا رہی تھی تب وہ ہونٹ بھینچ کر آگے آیا پھر نہ جانے کیسے اس کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔

وہ عالم مدہوش سے عالم خود شناسی میں چلی آئی تذلیل کے احساس نے اس کا چہرہ اور بھی سرخ کر ڈالا۔

''تمہارے ساتھ آ کر میں نے شاید بہت بڑی حماقت کی ہے۔'' وہ اسی اشتعال میں ایڑیوں کے بل پلٹا اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دم سادھے وہ اس تذلیل پر ششدر سی کھڑی رہی۔ ہوش آیا تو گیٹ کی طرف

بے ساختہ بھاگی مگر وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا اور بے حد رش انداز میں ریورس کر کے سڑک پر دوڑانے لگا۔

اب وہاں مٹی کا بگولا تھا جو فضا میں تحلیل ہو رہا تھا وہ ذلت آمیز کرب میں ڈوبی وہیں کھڑی رہ گئی رخسار الگ سلگ رہا تھا۔

اسے عمر سے ایسے رویے کی امید ہرگز نہ تھی۔ اتنے ٹھنڈے میٹھے مزاج کا آدمی ایسا رویہ بھی اختیار کر سکتا تھا۔ یوں بھرے مجمع میں اس کی تذلیل کر سکتا تھا۔ وہ حیرت میں مری جا رہی تھی۔

اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ واپس اپنے گروپ کی طرف پلٹتی۔ اس کی خوش نما آنکھیں یکا یک پانیوں سے بھر گئیں۔ اس نے لب بھینچ کر اس پانی کو پلکوں کی مضبوط باڑھ کے سہارے روکنا چاہا۔

''اب یہیں کھڑی کیا سوگ مناتی رہو گی؟''

وہ پلٹی تو ایمن اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس کے پلٹنے پر اس کی بھیگی آنکھوں اور سرخ چہرے کو دیکھ کر اس کا کندھا تھپکتے ہوئے بولی۔

''ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی توقع کے خلاف۔ شاید وہ غصے کے تیز ہوں گے۔''

اس نے پلکیں جھکا دیں۔ ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ۔ کئی آنسو آخر کار پلکوں کی باڑھ توڑ کر تپتے ہوئے رخساروں پر کرسٹل کے موتیوں کی طرح بکھر گئے۔

''وہ غصے کے تیز نہیں ہیں ایمن۔ تبھی تو مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ وہ ایسے تو نہیں ہیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ ایک بار پھر سسک پڑی۔

ایمن نے اس کے گرد اپنا بازو ڈال دیا۔

''جو اچھے لگتے ہیں نا جنہیں ہم دل و جان سے چاہتے ہیں ان کی ساری کج

ادائیاں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس لئے اس وقت کی واردات کو بھول جاؤ۔ شاید انہیں اپنے کزن ہونے کا زیادہ احساس تھا اسی وجہ سے تمہاری یہ جرات اور وہ بھی گھر سے باہر برداشت نہ کر سکے۔'' ایمن نے اسے دلاسا دیا تو اس نے سر جھکا لیا۔

''پتا نہیں۔ بس یہ شخص کبھی کبھی یونہی میری سمجھ سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں انہیں کبھی سمجھ نہیں پاؤں گی'' وہ کندھے پر لٹکتے بیگ سے ٹشو نکال کر ناک رگڑنے لگی۔ ایمن ہنس پڑی۔

وہ ایمن کے ساتھ وہیں بنچ پر بیٹھ گئی۔

''وہ شخص تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے'' تمہاری دسترس سے بہت دور دکھائی دیتا ہے۔ یعنی تو وہ شعلہ ہے جس پر تم لپک رہی ہو جو شے دسترس سے باہر ہوتی ہے اسی میں تو کشش ہوتی ہے۔

اس کے رخساروں پر سرخی سمٹ آئی اور ایمن کھل کھلا پڑی۔

''چلو اب اس بندے کو زیادہ سر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خبردار اس سے بات مت کرنا۔ اب یہ اس کا فرض ہے کہ وہ تم سے معذرت کرے۔''

پھر وہ آنکھیں نچاتے پر معنی خیز تبسم کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئی گنگنائی۔

اس کو کچھ تو بنا دیا ہے
تم نے تھوڑا سا دھیان دے کر

وہ بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی تھی۔

''ایمی کی بچی! پوری خبیث ہے تو۔'' وہ زور زور سے اس پر مکے برسانے لگی اور ایمن نے جلدی سے اس کا شولڈر بیگ بطور حفاظتی اقدام کے اپنے آگے رکھ لیا۔

اس نے برش ایک طرف ڈال دیا۔اور بے زار نظروں سے اپنی ادھوری پینٹنگ کو دیکھنے لگا۔ایک لمحہ دل چاہا بڑا سا برش اٹھا کر سیاہ رنگ میں ڈبو کر اسے بگاڑ دے۔

ہر چیز تہس نہس کر دے۔

سارے رنگ اس پر انڈیل دے۔

یا پھر۔

اس کو ایزل سے اتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

مگر دوسرے پل اشتعال انگیز جذبے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔اس نے اضطراری انداز میں ایزل کا پردہ گرا دیا۔

وہ دوراہا بھی آ گیا امجد
جس کا دھڑکا تھا ابتداء سے ہی

اس کے اندر اضطراب کی لہریں پھوٹ پڑیں۔وہ نادان یا کم فہم نہیں تھا کہ آنکھوں کے وہ رنگ نہ پہچانتا جو عینیہ کی آنکھوں کے اندر بکھرے ہوئے تھے۔

وہ جذبہ جو مثل مہتاب دل کے آسمان سے ابھرتا ہے اور آنکھوں میں شفق بن کر بکھر جاتا ہے۔

ایسی ہی شفق اس نے عینیہ کی آنکھوں میں بھی دیکھی تھی۔

وہ سخت مضطرب ہو رہا تھا۔جس خدشے کی آہٹ محسوس کر رہا تھا وہ بے حد نزدیک چلا آیا تھا۔

اس کے اندر جیسے پت جھڑ کا موسم اترنے لگا۔دماغ انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔

ہر سوچ میں زخم بن کر لگ رہی تھی۔

وہ اپنی ہی سوچوں کے اس زیر و بم سے گھبرا کر کمرے سے نکل آیا۔جہاں ایک پر

رونق دنیا آباد تھی۔پتا نہیں اس کے لیے تھی یا نہیں۔

صغریٰ (ملازمہ لڑکی) نے اسے شام کی چائے دی تو وہ مگ لیے اماں جان کے کمرے میں چلا آیا۔

"چلو تمہاری بھی شکل نظر آ گئی۔ترس جاتی ہوں میں تو تمہاری صورت دیکھنے کو۔"وہ اسے دیکھتے ہی بولیں اور اس نے عادت کے مطابق صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور ان کے تخت پر ان سے لگ کر بیٹھ گیا۔

"ایک دن ہی تو چھٹی کا ہوتا ہے دادی جان۔"

"اور وہ بھی تم کمرے میں بند ہو کر گزار دیتے ہو۔تم عمر یونہی میرا دل جلاتے رہنا۔"انہوں نے تسبیح ایک طرف رکھ دی اور صغریٰ کے ہاتھ سے چائے کا مگ تھام لیا۔

"میں تو پوری کوشش کرتا ہوں دادی جان کہ آپ کا دل نہ جلے۔"وہ نرم لہجے میں بولا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔"اماں جان نے اسے گھور کر دیکھا وہ چائے کے مگ سے اٹھتے دھواں پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا۔

"آپ جانتی ہیں میں کتنا کم مذاق کرتا ہوں۔"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا پھر جیسے ان کی محبت سے پگھل گیا۔عجیب بے بسی کا احساس اندر سے اسے جکڑنے لگا۔

"کیوں جلاتی ہیں آپ اپنا دل۔دادی جان ضروری نہیں کہ ہر با اختیار نظر آنے والا شخص اتنا ہی با اختیار بھی ہو۔دل پر تو کسی کا اختیار نہیں چلتا ناں۔آپ کو مجھ سے محبت ہے.... ہے ناں۔آپ مجھ سے نفرت کیوں نہیں کرتیں اس لیے ناں کہ آپ کے یہ اختیار میں نہیں ہے۔آپ چاہیں گی بھی تو مجھ سے نفرت نہیں کر سکیں گی۔"اس نے لاڈ بھرے

لہجے میں کہا اور ان کے کندھے پر سر ٹکا لیا۔
''کیا کوئی لڑکی تمہیں پسند ہے؟'' انہوں نے پیار سے اس کے گھنے بالوں کو
سہلایا۔ وہ چائے ختم کر کے ان کی گود میں سر ڈال کر تخت پر پھیل کر لیٹ گیا اور ان کی اس
بات پر ہنسنے لگا۔
''مجھے پتا تھا میرے انکار پر یہی سوال اٹھائیں گی آپ۔ سویٹ دادی۔ اگر پسند
ہوتی تو آپ کو بتانہ چکا ہوتا۔ میری شادی سے انکار کا جواز ہرگز کوئی لڑکی نہیں۔ اور نجانے یہ
کسی سمجھنے میں بٹھا نہ آسمان سے اترا ہے کہ پہلے بڑے بھائی کی ہی شادی ہو پھر چھوٹے
کی۔ آپ اور ما بخوشی فہد کی شادی کر سکتی ہیں۔'' وہ ان کی تسبیح سے کھیلنے لگا۔
''ہاں...... ہاں تو پڑھ لکھ کر ہم سے زیادہ سمجھدار ہو گیا ہے۔ اب تو ہمیں
سکھائے گا سمجھائے گا۔'' انہوں نے گھور کر دیکھا۔ ان کے چہرے کے زاویوں میں خفگی
سمٹ آئی۔ ''ٹھیک ہے یہ اصول اللہ کے بنائے ہوئے نہیں ہیں مگر ہم جس معاشرے میں
رہتے ہیں اس معاشرے کے کچھ اصول ہیں کچھ اچھے یا برے انسانوں کے بنائے ہوئے
اور یہ کوئی اتنا برا اصول بھی نہیں ہے۔ اتنی خراب روایت بھی نہیں ہے کہ پہلے شادی بڑے کی
ہو اور جب کوئی انکار کا سبب بھی نہ ہو۔ کیوں ضد لے کر بیٹھا ہے۔ میری بوڑھی آنکھیں
جانے کب بند ہو جائیں۔ تیری خوشی ہی دیکھنے کو تو زندہ ہوں اب تک۔'' ان کی لرزتی
انگلیاں اس کے بالوں میں پھسلنے لگیں۔ وہ چپ سا ہو کر چھت کو گھورنے لگا۔
''اماں۔ اب آپ ہی سمجھائیے نا۔ تیمور کو۔'' ثمن دوپٹا دھاگے اور کروشیا
اٹھائے اماں کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ ایک نظر عمر پر ڈالی مگر اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی وہ ثمن
کی آواز سن کر بھی یونہی چت پڑا چھت کو گھورتا رہا۔ البتہ اماں ثمن کی سمت ضرور متوجہ ہوئی
تھیں۔

''کیا ہو گیا۔ کس بات پر سمجھانا ہے اسے؟''
''یونہی فہد کے معاملے میں تنگ دل ہو رہے ہیں۔'' وہ دوپٹا کھول کر کنارہ پکڑ کر
اس پر دھاگا لپیٹنے لگیں۔
''دو سال کی تو بات ہے۔ یوں چٹکی بجاتے گزر جائیں گے دو سال وہ پڑھ لے
گا۔ کہتا ہے یہاں جاب اور آپ اچھی مل سکتی ہے۔ اختر بھائی بھی تو انگلینڈ میں مقیم ہیں۔
انہوں نے تو کہہ بھی دیا ہے فہد کو بھیج دیجئے۔ باقی وہ سب سنبھال لیں گے۔ اور آپ تو جانتی
ہیں اختر بھائی میرے سگے بھائیوں جیسے ہیں۔''
ان کی بات سن کر اماں جان نے چائے کا مگ ایک طرف رکھا پھر چشمہ آنکھوں
سے ہٹا کر دوپٹے کے کنارے سے صاف کرنے لگیں۔
''میں جانتی ہوں آپ بھی۔ اس معاملے میں چپ رہیں گی۔'' ان کی خاموشی پر
ثمن نے شکایتی لہجے میں کہا تو اماں نے جواباً انہیں دیکھا۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ فہد کا باپ
ہے جو بھی سوچے گا اس کی بہتری کے لیے ہی ہوگا۔ اور پھر تیمور کچھ غلط انکار بھی نہیں کر رہا
ہے۔ ٹھیک ہے ابھی اسے یہاں پر اچھی جاب مل رہی ہے ایک سال کر لے پھر خیر سے
شادی کے بعد بیوی کو لے کر دو سال تو کیا تین سال بھی گزار آئے انگلینڈ میں۔'' انہوں
نے تیمور کے فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
''اوہو اماں، تو کون سا فہد کے لیے ہمیں لڑکیاں تلاش کرنے میں جوتے گھسنے
پڑیں گے خیر سے گھر کی لڑکی ہے۔''
''ثمن... ثمن۔ تم کس قدر کم عقل عورت ہو۔
کیوں بیٹے کو نگاہوں سے دور بھیجنا چاہتی ہو۔'' انہوں نے جیسے ماتھا پیٹا اور اس کی
عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

"صرف اس کے بہتر مستقبل کے لئے۔" ان کی انگلیاں تیزی سے دوپٹے کے کنارے پر اطمینان سے بیل بناتی جا رہی تھیں۔ ان کے لبوں پر فہد کے لئے پیار بھری مسکراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے تو وہ سال بھر بعد بھی جا سکتا ہے۔"

"مگر وہ نہیں مانتا۔" انہوں نے اپنا حرکت کرتا ہاتھ روک کر بے بسی سے اماں کو دیکھا۔ "آپ تو جانتی ہیں وہ کتنا ضدی اور خودسر ہے۔ ہمیشہ اپنی ہی منواتا آیا ہے۔" وہ لاچاری سے بولیں تو اماں اسے دیکھ کر رہ گئیں، پھر ایک متاسفانہ سانس بھر کر تسبیح اٹھا کر اس کے دانے گھمانے لگیں۔

"یہ سب تمہارے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے محض عمر کے مقابلے میں اسے زیادہ ناجائز اہمیت دینے کا انجام۔ مگر دکھ تو اس بات کا ہے کہ تمہاری عقل اب بھی پٹڑی سے اتری ہوئی ہے۔" ماں سوچ کر رہ گئیں بولی کچھ نہیں۔ ان کے اندر غم زدہ فضائیں سنسانے لگیں۔ وہ ہولے ہولے عمر کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ جو یوں چپ لیٹا تھا گویا ان دونوں کے درمیان موجود ہی نہ ہو۔

وہ کیا سوچ رہا تھا، کن خیالوں میں گم تھا؟ انہیں علم نہ تھا مگر اتنا ضرور جانتی تھیں۔ کہ شمن کی موجودگی میں اس کے اندر کھنچاؤ سا پیدا ہو جاتا تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی اور گہری خاموشی طاری ہو جاتی تھی۔ اس کی خوش نما آنکھوں کی تہوں میں برف سی کیفیت اتر آتی تھی۔ وہ یوں دکھائی دیتا جیسے برف کا آدمی ہو۔ مگر وہ جانتی تھیں اس برف کے اندر ایک آگ کا سلگتا الاؤ دہک رہا ہے۔ جو اسے اندر ہی اندر خاکستر کئے دے رہا ہے۔

"آ لینے دو ثمرہ کو۔ اب وہی اپنے بھائی کو سمجھائے گی اور اگر تیمور کو نہیں سمجھا سکتی تو کم از کم اس باؤلے لڑکے کو ہی سمجھا لے۔ میں تو عاجز آ گئی دونوں باپ بیٹے کی ضدی

طبیعت سے۔" وہ جھنجلاہٹ سے بولیں اور دوپٹا سمیٹنے لگیں۔ اس دم ثمرہ کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔ تو اماں بھی چونک پڑیں۔

"ارے یہ تو ثمرہ کی گاڑی کا ہارن ہے۔ بڑی عمر ہے ابھی ذکر کیا۔ ابھی آ گئی۔" جلدی سے دھاگے کروشیا سمیٹ کر دوپٹے کے اندر ڈال کر دوپٹے کا گولا سا بنا کر ایک طرف رکھ دیا اور اٹھنے لگیں کہ ثمرہ ہنستی مسکراتی اندر داخل ہوئیں۔

"آداب امی جان۔" گرے چکن کی شرٹ اور سفید چکن کی شلوار اور سفید دوپٹے میں وہ اس عمر میں بھی خاصی جاذب نظر دکھائی دے رہی تھیں۔

اماں بیٹی کی آمد پر خوش ہو گئی۔ انہیں احساس تک نہ ہوا کہ عمر کب ثمرہ کو دیکھ کر تخت سے اتر کر باہر نکل گیا تھا۔

ثمرہ نے سرسری نظریں اس پر ڈالی تھیں۔ پھر اماں کے پاس بیٹھ کر اور ان کی خیریت دریافت کرنے لگی۔ جبکہ وہ لاؤنج میں جانے کی غرض سے اس طرف آیا مگر درمیان لٹکتے پردے کے پار کھڑی عینیہ سے بری طرح ٹکرا گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بے دھیانی میں بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اسکی ہلکی چیخ پر اس نے ٹپٹا کر پردہ کھینچا تو وہ سر پکڑ کر کھڑی تھی۔

"غلطی تمہاری تھی۔" اس کے کچھ کہنے سے پہلے وہ جلدی سے بولا۔ "اس لئے کہتا ہوں ہمیشہ دیکھ کر چلا کرو۔" وہ ایک طرف ہو کر اسے جانے کا راستہ دیتا ہوا بولا۔

"میں جانتی ہوں ہمیشہ غلطی میری ہی ہوتی ہے۔ اس لئے معافی بھی مجھے ہی مانگنا پڑتی ہے۔ آپ تو غلطی پروف ہیں۔ یوں بھی آپ جیسے انا پرست معافیاں مانگنے کی غلطیاں نہیں کرتے۔ چاہے قصور کبھی نکل آئے۔" وہ زمین پر گرا شولڈر بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالے ہوئے بگڑے لہجے میں بولی تھی۔ ہزار شکوے چیخ رہے تھے اس کے ایک جملے میں اور وہ کم تو بہرحال نہیں تھا۔

اس کے چہرے پر پھیلی خفگی کے سبب سے اچھی طرح واقف تھا۔

''غلطی کو تسلیم کرنے کی عادت اچھی ہے بلکہ خوبی ہے مگر تسلیم کر لینے کے بعد آئندہ محتاط رہنا چاہئے کہ آدمی سے غلطی دوبارہ نہ ہو۔'' وہ اس پر ایک نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

وہ یونہی اپنی جگہ جمی اس کے کٹھور پنے پر سلگتی رہی۔ اس شخص کے اندر شاید دل نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ کم از کم کل کے واقعہ پر زبان سے نہ سہی' رویوں سے ہی سوری کر لیتا۔ وہ مزید یہاں جلنے کڑھنے کے لئے کھڑی نہ رہی ادھر وہ بے نیازی کے ساتھ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ کر کوئی میگزین اٹھا کر اس کے ورق گردانی کرنے لگا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں اسے کوستی ہوئی اماں جان کے کمرے میں چلی گئی جہاں محفل جم چکی تھی۔ فہد بھی آچکا تھا۔ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا کر مسکرایا۔ وہ بھی بجھے دل کے ساتھ مسکرا کر اماں کے تخت پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

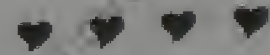

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا
تو میرا ہاتھ ہاتھوں میں لے کے چلے
مہربانی تیری
تیری آہٹ سے دل کا دریچہ کھلا
میں دیوانی تیری
میں دیوانی تیری
تو غبار سفر میں خزاں کی صدا

تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

ریڈیو کی آواز نے یکدم اس کے ذہن کو منتشر کیا تھا۔ فائل سے نگاہ اٹھا کر اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ یہ آواز لان کے راستے سے ادھر آ رہی تھی۔ اور اسے سمجھنے میں قطعی دیر نہ لگی کہ یہ حرکت سوائے اس سرپھری لڑکی کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جب سے آئی تھی مسلسل اسے زچ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اب اسے کمرے میں بھی سکون سے کام کرنے نہیں دے رہی تھی۔ اس نے اپنے آگے رکھی فائل پٹخ کر بند کی اور کھڑکی کی طرف آیا وہ سامنے کے چبوترے پر انتہائی اطمینان سے بیٹھی پاپ کارن کے ساتھ ایف ایم کے مزے بھی لوٹ رہی تھی۔

کھڑکی کھلنے کی آواز پر وہ ذرا سا چہرہ موڑ کر اس طرف دیکھنے لگی۔ پھر دوبارہ رخ موڑ کر شان بے نیازی سے پاپ کارن نکال نکال کر منہ میں ڈالے اور چباتے ہوئے ریڈیو کی آواز اور تیز کر دی۔

تو بہاروں کی خوشبو' گھنی چھاؤں ہے
میں ستارا تیرا
زندگی کی ضمانت تیرا نام ہے
تو سہارا میرا
میں نے ساری خدائی میں تجھ کو چنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اسے سخت تاؤ آ رہا تھا اس کی ان بچکانہ حرکتوں پر۔

یہ شاید کل کے تھپڑ کا جوابی بدلہ تھا جو وہ لے رہی تھی۔ اس نے وہیں سے اسے

ڈانٹنا چاہا' پھر کچھ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کا خیال تھا اس کے سلگنے پر وہ اور لطف
اندوز ہوگی۔ اس نے کھٹاک سے کھڑکی بند کر دی اور پردہ گرا دیا۔

تم چلو تو ستارے بھی چلنے لگے
آنسوؤں کی طرح
تم کو دیکھا تو آنکھوں میں جلنے لگے
آرزوؤں کی طرح
تیری منزل بنے میرا ہر راستہ
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

''بدتمیز' جنگلی' بیوقوف۔'' اس نے ساری فائلیں بند کیں انہیں دراز میں ڈالا اور
گاڑی کی چابی اٹھائی اور کمرے سے باہر آ گیا۔
ثمن اور ثمرہ اس مہارانی کی خاطر مدارت کے لئے کچن میں مصروف جانے کیا
کچھ بنا رہی تھیں۔ پورا کچن بلکہ ڈائننگ روم تک خوشبوؤں کی لپیٹ میں تھا۔ ثمرہ اماں جان
کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھی دنیا جہاں کی باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ باہر نکل گیا۔
کچھ دیر سڑکوں کی خاک چھانتا رہا پھر ایک دوست کے یہاں چلا گیا اس سے
گپ شپ لگانے کے بعد واپس آیا۔ اس کا خیال تھا ثمرہ بمعہ اس بلا کے جا چکی ہوں گی مگر
اسے سخت مایوسی ہوئی جب وہ سب کھانے کی میز پر ہی موجود تھیں اس کا مطلب تھا کہ
بدقسمتی سے ڈنر بھی آج لیٹ ہوا تھا۔
''تم کہاں چلے گئے تھے عمر؟ آؤ کھانا کھا لو۔'' تیمور اسے دیکھ کر بولے۔
''میں کھا کر آیا ہوں پاپا۔'' اس نے نرمی سے جواب دیا بہر حال وہ خاصا فریش
ہو کر آیا تھا۔ ''ہاں اگر ایک کپ چائے مل جائے تو۔''

''کبھی ہمارے ساتھ بھی مل کر کھا لیا کرو۔ دشمن تو نہیں ہیں ہم تمہارے۔'' ثمن برا
سامنے بٹھا کر بولی۔
''صغریٰ بی بی عمر کو چائے بنا کر دے دو۔'' اماں جان نے صغریٰ کو آواز دے کر اسے
ہدایت دی۔ پھر ثمن پر ایک تیز نگاہ ڈالی۔
''روز ہی تو ہمارے درمیان بیٹھ کر کھاتا ہے۔ ہمارے ہی ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔
کبھی ہو جاتا ہے ایسا یار دوستوں میں مل کر کھا لینا کوئی گناہ نہیں ہے۔''
وہ وہاں ٹھہرا ہی نہیں تھا کہ اپنے بارے میں کسی کے تبصرے سنتا۔ شکوے شکایتیں
سنتا۔ ٹی وی لاؤنج میں جا کر صوفے میں دھنس کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔ ریسلنگ
آ رہی تھی اور اسکی تمام تر توجہ اسکی طرف منتقل ہو گئی۔
''اہل دل حضرات' ذرے ذرے میں دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دل
انسانوں کو احساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔'' وہ اپنا مگ اٹھائے
وہاں چلی آئی جس میں گرم گرم کافی تھی۔
عمر نے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر اسکی طرف دیکھا تھا۔
''یہ بات کسی سیانے نے کہی ہے۔'' وہ اس کی اٹھتی نگاہ پر مسکرا کر بولی تو وہ
آنکھوں میں تحیر بھر کر بولا۔
''کون سی بات؟'' پتا نہیں اس نے واقعی اس کی بات نہیں سنی تھی یا انجان بن رہا
تھا۔ بہر حال ظاہر تو کچھ یونہی کیا تھا۔ وہ بری طرح سلگی تھی۔ اسے اس کا یہ انداز قطعی ڈراما
ہی لگا تھا۔
''کچھ نہیں' آپ ریسلنگ ہی دیکھیے۔'' وہ کسی کم سن ناراض بچے کی طرح منہ پھلا
کر خود بھی ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ تب اس نے گہری سانس بھر کر ریموٹ سے ٹی وی

آف کر کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل اس معصوم بچے کی طرح لگ رہی تھی جو روٹھ کر منہ چاہے جوڑ کر ہنسنا چاہے۔ اسے بے اختیار ہی اس پر رحم آ گیا۔

"کسی بہت ہی اچھے سیانے نے یہ بھی تو کہا ہے کہ جل کر کباب ہونے سے بہتر ہے آدمی کھل کر گلاب ہو جائے۔" اس کا لہجہ دھیما اور قدرے ملائم تھا اس نے سکرین سے نظریں ہٹا کر اسکی طرف دیکھا۔ پھر اپنے سامنے میز پر دھرے کرسٹل کے نفیس سے گلدان کو گھورتے ہوئے بولی۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے سر پہ یہ گلدان اٹھا کر دے ماروں۔" اس نے یوں کہا جیسے واقعی یہ اس کی شدید ترین خواہش ہو۔

"ارے ارے، مگر کیوں بھئی؟" وہ لہجے اور آنکھوں میں حیرت سموتے ہوئے بولا۔ مگر اسے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر لبوں کی تراش میں پھیلی مسکراہٹ کو سمیٹتے ہوئے بولا۔

"اچھا بھئی۔ بہر حال۔ گلدان اٹھا کر مارنے کی اجازت تو تمہیں نہیں دے سکتا اس خواہش کو تو تم رہنے ہی دو۔"

"ہاں واقعی کیونکہ یہ گلدان بہت قیمتی ہے اور اس کے ضائع ہونے کا مجھے بھی افسوس ہوگا۔" اس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا اور عمر کا بے ساختہ قہقہہ بکھر گیا۔

وہ ایک دم اس طرح چونکی تھی جیسے کوئی انہونی ہو گئی ہو۔

یہ قہقہہ خاصا خوشگوار تھا۔ گویا وہ خاصے موڈ میں تھا اور وہ جل اٹھی یعنی کل کے واقعہ کا موصوف کو ملال تک نہیں۔

"میں اپنے کل کے رویے پر نادم بالکل نہیں ہوں۔" وہ اس کے چہرے کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے کچھ جھینپ کر چہرے جھکا لیا تھا۔ "بہر حال تم اگر ہرٹ ہوئی ہو تو مجھے دلی

افسوس ہے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے میز سے چائے کا مگ اٹھا لیا جو صغریٰ رکھ کر گئی تھی۔ اور پھر اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر زیر لب مسکرانے لگا۔

"واقعی مجھے افسوس ہے۔" اور اس نے کچھ اور کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ ثمرہ یکدم ٹی وی لاؤنج کے دروازے سے نمودار ہوئی تھیں۔ مگر وہیں رک کر عینیہ کو گھورتے ہوئے بولیں۔

"تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔ چلو اٹھو اور جانے کی تیاری کرو۔ باتیں ہی ختم نہیں ہوتی ہیں تمہاری۔ دو گھڑی اماں جان کے پاس نہیں بیٹھ سکتیں۔" ان کے لہجے میں اس قدر ترشی اور تلخی تھی کہ عمر کو لگا جیسے وہ ساری کی ساری اس کے اندر اتر گئی ہوں اور شاید وہ اتارنا بھی اس کے اندر چاہتی تھیں۔ ورنہ وہ کب اپنی نازوں پلی بیٹی کو اس انداز سے مخاطب کرتی تھیں۔

"ممی!! ابھی کچھ دیر تو بیٹھیں۔" وہ جیسے مچل اٹھی۔

"فضول ضد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھو فوراً۔" ثمرہ کا لہجہ مزید بے لچک ہو گیا۔ مگر وہ سنی ان سنی کرتی بیٹھی رہی۔

ثمرہ کے تیور مزید بگڑ گئے۔ اس سے پہلے کہ ماں بیٹی میں کھنچاؤ جاری رہتا عمر خود ہی لاؤنج سے باہر آ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اے سی آن کیا اور کرسی پر گر گیا' اور اسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کسی خیال کسی احساس کی گرفت سے نکلنا چاہ رہا ہو۔

ایک چبھن جو اس کے اندر ہو رہی تھی اس سے نجات چاہ رہا تھا۔

دن بہت بے کیف سے گزر رہے تھے۔ اب پتا نہیں عینیہ ہی کو لگ رہا تھا یا سب

محسوس کر رہے تھے۔ کئی دنوں سے اس نے "تیمور ولا" کی طرف چکر نہیں لگایا تھا۔ اس کا وہاں بھاگ بھاگ کر جانا ایک تو ثمرہ کو پسند نہیں تھا۔ دوسرے جس کے لئے جاتی تھی وہ اسے لائق توجہ نہیں سمجھتا تھا اس کی بے رخی اکثر اس کا دل توڑ ڈالتی۔

''امی یہ عمر بھائی مجھے اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں۔'' ایک روز وہ ثمرہ عمر کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی تھی اور باتیں نانو کے گھر کی ہو رہی تھیں۔ تیمور ماموں ثمن ممانی' پھر اچانک وہ عمر کا ذکر لے آئی۔

ثمرہ آئرن اسٹینڈ کے پاس کھڑی اپنی قمیص پر استری پھیرتے پھیرتے یکدم ٹھٹھری گئی۔ اعصاب پر خفیف جھٹکا لگا تھا۔ پھر رخ پھیر کر اسکی طرف دیکھا مگر وہ بیڈ کے سائیڈ پر رکھے لیمپ کے بٹن کو کھول اور بند کر رہی تھی۔ اسکا چہرہ جھکا ہوا تھا اور کئی لٹیں چہرے پر جھول رہی تھیں۔

''کزن ہے تمہارا' اس میں انہونی سی کون سی بات ہے۔'' وہ سنبھل کر ناگواری چھپا کر عام سے لہجے میں بولیں۔

''کزن تو میرے فہد بھائی بھی ہیں۔ اور اپنی آپو (پھوپو) کے وجاہت بھائی بھی ہیں۔ نعمان چچا کے نبیل اور عقیل بھی ہیں مگر جو بات عمر بھائی میں ہے وہ کسی میں نہیں یا شاید مجھے ہی ایسا لگتا ہوگا۔ کہیں میں لوہے کا ٹکڑا اور وہ مقناطیس تو نہیں ہیں کہ میں انہیں دیکھتے ہی۔''

''شٹ اپ عینی۔ کیا فضول بکواس کر رہی ہو۔''

وہ جیسے جلس کر پلٹی تو اس نے گھبرا کر منہ میں انگلی دبالی۔ جیسے واقعی کوئی غلط بات منہ سے نکال دی ہو۔

''یہ سب تمہاری بچکانہ سوچ ہے۔ اس شخص میں ایسی کوئی غیر معمولی بات نہیں

ہے۔ کوئی متاثر کرنے والی خوبی نہیں ہے۔ عام سا بلکہ انتہائی عام سے شخص ہے یہ۔'' وہ چند لمحے توقف کے بعد بولیں تو لہجے میں شعلے چٹخ رہے تھے۔

عینیہ کے دل پر چوٹ سی لگی تھی۔

''امی' یہ تو زیادتی ہے ایسا تو نہ کہیں۔ اتنے پرکشش ہیں' اس قدر شاندار اور چارمنگ پرسنلٹی ہے ان کی کہ۔''

''عینی۔'' انہوں نے استری کا پلگ نکال کر اسٹینڈ پر پٹخا اور ہینگر کیا سوٹ اٹھا کر الماری کی طرف بڑھتے ہوئے اسے گھورا۔

''جاؤ مائی آ گئی ہوں گی۔ اسے مشین کھول دو۔ ڈھیر سارے کپڑے جمع ہو گئے ہیں۔ کل بھی چھٹی کر لی تھی اس نے میں تم سے کہہ رہی ہوں عینی۔ اٹھو اور اس کے بعد اپنی بکس نکال کر پڑھنے بیٹھو۔ امتحانات سر پر ہیں اور تمہیں فضول باتوں کی پڑی ہے۔ خبردار جو اماں جان کی طرف گئیں ایگزام سے پہلے۔''

گو کہ انہوں نے دھمکی تو دے دی تھی مگر وہ جانتی تھیں وہ وہاں ضرور جائے گی۔

ایک تو کالج سے گھر بالکل نزدیک تھا۔ اور دوسرے......

اس سے آگے سوچ کر ان کا دماغ جھلنے لگا تھا۔ اس کے مردہ قدموں سے کمرے سے نکل جانے کے بعد وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔ کنپٹیوں میں ایک کھچاؤ سا محسوس ہونے لگا تھا۔

عینیہ نے ان کے خدشوں کی بجھی راکھ کو کرید دیا تھا۔ ان کے واہموں کی دبی چنگاریوں کو ہوا دے ڈالی تھی وہ کم فہم یا کم سن تو نہیں تھیں کہ اس کے جذبوں کو پہچان نہ پائیں اس کا بھاگ بھاگ کر تیمور ولا جانا۔ سارا سارا دن عمر کے کمرے میں گھسے رہنا۔ اس کے گرد طواف کرنا۔ اس کی غیر موجودگی میں لان میں ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کرنا۔ پھر

اسے دن بھر کی روداد سناتا' آخر فہد بھی تو تھا اس گھر میں۔ بلکہ یہاں بھی آ تا رہتا تھا مگر وہ اسے کبھی نظر ہی نہیں آتا تھا۔

وہ جتنا سوچتی گئیں ان کے دماغ میں اتنے ہی خدشے اور خوف سر اٹھا اٹھا کر انہیں اذیت دیتے رہے۔ تھک کر آنکھیں موند کر اس اذیت آمیز سوچ سے نجات پانے کی سعی کرنے لگیں۔

جلتی شمعیں ' روشن چہرے

کامنی لڑیاں ' نازک سہرے

نرگس بیلا ' موتیا ' لالہ

جوہی چمپا اور بنفشہ

ہر کوئی یارو شاد ہے نا

آج تمہاری سالگرہ ہے

دیکھو ہم کو یاد تو ہے ' نا

وہ خوبصورت سے کارڈ اور اس پر رکھے ایک گلاب کے پھول کو دیکھ رہا تھا۔ جو عینیہ کالج جانے سے پہلے ادھر آ کر اس کے بیڈ کارنر پر رکھ گئی تھی۔ وہ غالباً اس وقت آئی تھی جب وہ کمرے میں نہیں تھا۔ کارڈ کے اندر نظم لکھی تھی جو خاصی طویل تھی۔ اس نے پوری نہیں پڑھی۔

اس کے لبوں پر گردش کرتی مدھم سی مسکراہٹ یہ سوچ اور پھیل گئی کہ وہ اٹھارہ انیس سالہ نازک سوچوں کی مالک لڑکی دل کی واقعی اچھی تھی باوجود ثمرہ کی بیٹی ہونے کے وہ اسے عزیز تھی۔ وہ ابھی کارڈ دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس' کم آن' دروازہ کھلا ہے۔" اس نے کارڈ اور پھول ایک طرف رکھ دیا اور اٹھ کر دروازے کی طرف پلٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اندر داخل ہونے والی ثمرہ تھیں سفید کلف لگا دوپٹا سر پر جمائے وہ خاصی چبھتی نظروں سے اسے دیکھ کر اندر آ گئیں۔ پھر خود ہی بولیں۔

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

"جی...... جی ضرور۔" وہ لگنے والے اس خفیف سے جھٹکے سے جلد ہی سنبھل کر اخلاق سے بولا۔ پھر منتظر رہا کہ وہ خود ہی اپنے آنے کی وجہ بیان کریں۔ مگر جب وہ بولیں تو اس کے اعصاب کے پرخچے اڑا دیئے۔ اسے گویا شعلوں میں دھکیل دیا۔

"عمر میری بچی عینیہ بہت چھوٹی اور معصوم ہے اسے اچھے برے کی تمیز نہیں ہے ابھی۔ وہ ابھی لفظوں سے بہل جانے والی عمر میں ہے۔ اس عمر میں بھڑکتی آگ بھی چمکتی کوئی خوش نما شے دکھائی دیتی ہے جسے چھونے کی خواہش مچل جاتی ہے۔ مگر وہ آپ کو چھونے کے بعد کی تباہ کاریوں سے بے خبر ہوتی ہے۔ جل جانے اور جھلس جانے کے احساس اور خوف سے بے نیاز ہوتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ ذرا سا مسکرائیں۔ بڑی استہزائیہ آمیز مسراہٹ تھی مگر دوسرے پل لبوں کو بھینچتے ہوئے بولیں بلکہ پھنکاریں۔

"اور تم ایک سمجھدار' میچورڈ انسان ہو' اس کے اردگرد یہ آگ دہکا کر اچھا نہیں کر رہے ہو۔ تم سے اس کی یہ وقتی دلچسپی ہے۔ تم اسے کوئی دائمی اور اٹوٹ رشتے میں نہیں بدل سکو گے۔"

"آ۔ آپ۔" وہ اس شدید قسم کے ذہنی دھچکے سے پوری طرح نہ نکل سکا اور کچھ کہنا چاہا کہ وہ جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر اٹھتے ہوئے اسی لب ولہجہ میں بولیں۔

"مجھے تم سے صرف یہی کہنا ہے کہ تم اس سے دور رہو۔ اس کی اس معصوم عمر کو اپنے

فریب میں جکڑنے کی کوشش مت کرو۔ تمہیں کامیابی نہیں ہوگی۔" ان کی آنکھوں کی تیز چنگاریاں سلگ رہی تھیں اور یہ ساری کی ساری وہ عمر کے وجود میں اتار کر [illegible] تھیں۔ جبکہ کمرے میں سلگتے احساس کے ساتھ کھڑے رہ جانے والے عمر کو لگا جیسے کمرے کی چھت اس پر آ گری ہو۔ اور وہ پورا کا پورا اس کے ملبے تلے دب کر رہ گیا ہو۔

اپنی پھوپی کے اس قدر پستی میں اتر جانے کا تو تصور بھی نہیں تھا اس کے پاس۔ کتنی دیر تو وہ بے یقین رہا کہ کوئی اتنا گھٹیا الزام اس قدر رکیک حملہ بھی اس کی ذات پر کر سکتا ہے۔

دوسرے پل اس کی رگوں میں خون کی جگہ آتش سیال دوڑنے لگا۔ اسے اپنا پورا وجود کھولتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ رگ رگ سے چنگاریاں پھوٹتی محسوس ہوئیں۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اور ایک جھٹکے سے نیم وا دروازہ کھول دیا۔ مگر پھر کسی احساس نے اس کے قدم جکڑ لیے وہ دروازے کے فریم پر مضبوطی سے انگلیاں جما کر اپنے اندر سے اٹھنے والے غصے کے ابال کو دبانے لگا۔

موجودہ حالات میں روز و شب گزارتے ہوئے گمان بھی نہیں گزرا تھا۔ کہ آنے والے کسی لمحے میں اس کی ذات کو کوئی ایسی غلاظت بھری گالی سے گندا کر دے گا۔

اور، اور کس قدر رنج اور افسوس کی بات تھی کہ یہ سب ثمرہ نے کیا تھا۔

کیا اس کا اپنا منہ ایسی گندی گالی دیتے ہوئے گندا نہیں ہوا تھا؟

کیا ان کی بیٹی پر چھینٹے نہیں آنے تھے۔

ایسی ناقابل تلافی اذیت وہ دے گئی تھیں۔ اس کے ذہن میں تو ایسی دشمنی کہیں بھی رقم نہیں تھی جو اس کی اپنی پھوپی سے ہوئی ہو۔

اس نے کمرے کا دروازہ غصے سے لات سے بند کر دیا پھر شرٹ اتاری اور سیدھا واش روم میں چلا گیا۔ کتنی دیر شاور لیتے رہنے کے باوجود اندر کی آگ کم نہ ہوئی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اب حیرت غصے اور بے یقینی کی جگہ تاسف دکھ اور رنج نے لے لی تھی۔

وہ آفس جانے کی بجائے سارا دن گاڑی لیے راستوں کی خاک چھانتا رہا۔ گھر آ کر رات بھر سگریٹ پھونکتے ہوئے اس واقعہ کی بدمزگی اور اذیت کو محسوس کرتا رہا۔

بہت کڑھنے، اذیت برداشت کرنے کے بعد وہ کوئی آدھی رات کو اپنی کھڑکی کی سلائیڈ کھولے لان کے اندھیرے کو گھورتے ہوئے اب کچھ اور سوچ رہا تھا۔

رگوں میں دوڑتی آگ کی تپش کم ہو گئی تھی۔ مگر دل میں اب نفرت آمیز جذبہ سر اٹھا رہا تھا۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا ثمرہ پھوپو۔ بہت برا کیا ہے۔" اس کے لبوں کی تراش میں زہریلی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس رکیک، بے بنیاد الزام کی اذیت کا احساس کوئی پوشاک نہیں تھی جیسے وہ اتار دیتا۔ یہ تو اس کے جسم اور خون میں اتر گئی تھی۔ اسکے کھال سے لپٹ گئی تھی۔

اس نے خود کو کرسی پر گرا لیا اور سگریٹ کے مرغولے میں نگاہیں گاڑتے ہوئے سوچتا رہا۔

"اگر آپ کی نازوں پلی بیٹی کی عمر واقعی فریب میں آ جانے کی ہے تو میں اسے واقعی فریب میں جکڑوں گا اور کامیاب ہو کر دکھاؤں گا۔ میں اس کی وقتی دلچسپی کو دائمی محبت میں بدل دوں گا۔ آپ شاید ایک مرد کو برتنے کے باوجود مرد کی کئی پرتوں سے بے خبر ہیں۔ اب میں آپ کو یہ آگہی دوں گا کہ مرد وہی نہیں ہوتا جو دکھائی دیتا ہے۔ وہ بھی ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔ اور اب وہ آپ کو نظر آئے گا۔" اس نے انگلی کو چھو جانے والی راکھ کو ایش

ٹرے میں جھاڑا پھر آدھی سے زیادہ سگریٹ بھی ایش ٹرے میں دبا کر مسل دی۔ مسلتے ہوئے خود بخود اس کی انگلیوں میں کرختگی آ گئی تھی۔

وہ کالج گیٹ سے نکل کر لڑکیوں کے ہجوم کو چیرتی کالج وین کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ایک کار کا زور دار ہارن اسکو رکنے پر مجبور کر گیا جیسے کسی نے ہارن کے بل بوتے پر اسے متوجہ کرنا چاہا ہو۔ وہ رجسٹر کا چھجہ بنائے بنائے پلٹی تو عمر کو دیکھ کر حیرت کا شکار ہو گئی۔ انہونی جو ہوئی تھی پھر حیرت سمیٹ کر فرنٹ ڈور کی طرف آئی اور شیشے میں سر ڈال کر اسے دیکھتے ہوئے حیرانگی ظاہر کئے بنا نہ رہ سکی۔

''آپ۔ یہاں' خیریت؟''

''آؤ بیٹھو۔ خیریت ہی ہے۔'' وہ آنکھوں کو ہلکی سی جنبش دے کر بولا۔ اس کے بیٹھتے ہی اگنیشن میں لگی چابی کو ہلکے سے گھما دیا۔ دوسرے پل گاڑی بہتے پانی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی۔

کئی لمحے گاڑی کی فضا میں سکوت ہی رہا۔ وہ گاہے بگاہے اس پر حیرت آمیز نظر ڈال کر بے چینی سے اپنے بیگ پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اس کے اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیا۔ پھر اسکی طرف ذرا سا چہرہ موڑ کر بولا۔

''اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے۔ اب اتنا تو حق بنتا ہے نا تمہارا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے لبوں کی تراش میں پھیلی مسکراہٹ کشادہ ہو گئی۔ گاڑی کچھ دیر بعد ایک ریسٹوران کے سامنے روک دی اور دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔

''تم نے میری برتھ ڈے کو یاد رکھا۔ مجھے ''وش'' کیا۔ کیا میں جواب میں اتنا بھی

وہ تو فوت ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ پوری آنکھیں کھول کر اسکی طرف دیکھا۔ آیا یہ وہی عمر تیمور ہے یا کوئی اس کا ماسک چڑھا کر چلا آیا ہے کہاں وہ اکھڑ' اور اسے خاطر میں نہ لانے والا' کہاں یہ اتنا مہذب' نازک احساسات کی پذیرائی کرنے والا۔

یا پھر یہ کوئی بے حد خوش نما خواب ہے۔

مگر یہ خواب بھی نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ اس کے ارد گرد بکھری ہوئی تھی وہ اس غیر متوقع صورتحال پر کسی طرح فوری رد عمل ظاہر کرنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے عقل تو ویسے بھی تمہارے پاس کم ہے اور بھوک میں تو رہی سہی بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہو گی۔ چلو آؤ۔'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ اور یکدم اسے بھی اپنے انتہائی کم عقل' بے وقوف ہونے کا احساس ہوا تو سرعت سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

''میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ میں یہ انقلاب کیسے آیا؟'' کئی لمحے کی خاموشی اور بے چینی کے بعد وہ آخر کار اپنی حیرت کے اظہار سے خود کو باز نہ رکھ سکی تھی۔

اس نے ویٹر کو اپنی پسند کے کھانے کا آرڈر دے کر مینو چارٹ بند کر کے اسے واپس پکڑاتے ہوئے اسکی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب کیسا انقلاب؟''

وہ سر جھکا گئی۔ اور میز کے کنارے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''وش تو میں آپ کو پچھلے دو سالوں سے کر رہی ہوں آپ کی برتھ ڈے پر۔ مگر۔''

اس نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی انہماک سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر اس

اس نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی انہماک سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر اس کے چہرے پر ایک مضطربانہ سا رنگ آ کر گزر گیا پھر گہری سانس بھر کر کرسی کی پشت سے لگ کر اسے بے حد نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ذرا سا ہنس دیا۔

"تمہیں یہ انقلاب پسند نہیں آیا؟"

اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ بس سر اٹھا کر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

ویٹر مستعدی سے لوازمات سجا کر چلا گیا۔

"عینیہ! میرا خیال ہے محبت بلکہ بے غرض محبت ایک عجیب ہی ٹانک ہے۔ یہ ہماری ساری وحشتوں کو چوس لیتی ہے۔ ہماری روح کو ہلکا پھلکا پُرمسرت کر دیتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے روح میں اتر جانے والی نگاہوں سے اس کے معصوم خوش نما چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

چاول کے چمچے پر عینیہ کی انگلیاں جانے کیوں کانپ سی گئیں۔ اس کی نگاہوں میں ایسا کچھ تھا یا لہجے میں یا پھر جملے نے ہی اسے اندر باہر سے بے ترتیب کر ڈالا۔

میز پر چند لمحے سکوت طاری رہا۔ عمر اسی خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یکدم ہی خاص طوفان برپا ہو گیا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ سر جھکا کر کباب اٹھا کر اس پر ہلکی آواز سے مگر پورے دباؤ سے کانٹا مارنے لگا۔ پھر جیسے اندر باہر کے سکوت سے گھبرا کر بولا۔

"تم اتنی کم گو کب سے ہو گئی ہو عینی۔"

وہ سر اٹھا کر صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"کیا واقعی تمہارے لئے میری بات بڑا شاک یا بڑی حیرت ثابت ہوئی ہے۔"

وہ اب خود حیرت سے استفسار کرنے لگا پھر خود ہی سر جھٹک کر بولا۔ "حالانکہ میں اتنا روڈ

اتنا رینڈ اور اس حد تک تم سے دور تو نہیں تھا۔ ہاں شاید۔ جس سے انسان بے حد قریب ہوتا ہے وہی فاصلے پر نظر آتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ پھر اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

وہ تو پے در پے حیرت کے جھٹکوں سے گنگ سی ہو کر رہ گئی تھی اسے تو اب یہ چاول بھی منہ میں ڈال کر چبانا مشکل ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ پانی جیسی سیال شے بھی اسے اپنے حلق میں چبھتی سی محسوس ہوئی۔

پتا نہیں ریستوران کے خوابناک ماحول کا اثر تھا یا اس کی نگاہوں کا یا جملوں کا یا پھر اپنے ہی دل کی وحشت کا وہ یک دم ہی وحشی ہرنی کی طرح کھڑی ہو گئی۔

"ارے کیا ہوا؟"

"بس۔ بھوک نہیں لگ رہی۔ یوں بھی میں نے کالج میں برگر کھا لیا تھا"

اسے اپنے جسم کے مساموں سے پسینہ پھوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے احساس تک نہیں تھا کہ یہ وحشت اس کے چہرے پر سرخی بن کر عمر کو دکھائی دینے لگی تھی۔ ایک دو لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر۔ سر ہلا کر خود بھی کھڑا ہو گیا۔

"چلو جیسی تمہاری مرضی۔ مگر لڑکی اتنا بہت کچھ ضائع کر ڈالا۔ کم از کم مجھے ہی کچھ کھانے دیتیں۔ میں نے قطعی کوئی برگر نہیں کھایا۔"

وہ شرمندہ ہو گئی۔ مگر اب اس شخص کے سامنے اسے بیٹھنا دوبھر لگ رہا تھا۔ وہ ندامت کے باوجود وہاں نہ رکی اور تیز تیز قدم اٹھا کر گلاس ڈور کھول کر کھلی فضا میں نکل آئی۔ باہر آ کر اسے اپنے تپتے رخساروں پر ہوا خنک سی محسوس ہوئی۔ یوں جیسے جلتے شعلوں پر شبنم کے چھینٹے پڑے ہوں۔

واپسی کا راستہ بے حد خاموشی سے طے ہوا۔ وہ اسے گھر کے سامنے اتار کر رش

انداز میں گاڑی بھگائے گیا تھا۔ اور وہ دروازے پر کھڑی ٹائروں کے احتجاج سے اڑنے والی دھول کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

"میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی میری زندگی میں ایسے قیمتی اتنے حسین لمحات بھی آئیں گے۔" وہ گہری سانس بھر کر سرشاری کے عالم میں اندر چلی آئی۔

پورا دن اس نے ایک مہکتے احساس کے ساتھ گزارا عمر کا یہ التفات اسے رہ رہ کر حیرت۔ خوشگوار حیرت میں مبتلا کرتا رہا۔ اس کا دل چاہا وہ اپنی اس خوشی میں کسی کو شریک کرے۔ مگر کسے؟

اس کی تو کوئی بہن بھی نہیں تھی۔ یکدم خیال ایمن کی طرف گیا۔ اس نے جھٹ سے ایمن علوی کا فون ملایا دوسری سمت وہی تھی۔ اس کی آواز سن کر چہکی۔

یا سماعت کا بھرم ہے یا کسی نغمے کی گونج
ایک پہچانی ہوئی آواز آتی ہے مجھے

"ایمی کی بچی! کیا صبح و شام شاعری کا منجن کھاتی ہے۔" وہ چلائی تو وہ کھل کھلا پڑی۔

"کہ کیسے یاد کر لیا کیا کام پڑ گیا مجھ غریب سے؟

ویسے ابھی ہم دونوں کو بچھڑے زیادہ گھنٹے بھی نہیں گزرے۔ ہاں دیکھو جرنل ورنل مت مانگنا چونکہ ابھی تمہیں نہیں دینے کا بہت کام باقی ہے۔"

ہاں دیکھو جرنل ورنل مت مانگنا چونکہ بہت کام باقی ہے۔"

"گولی مارو جرنل کو۔ آج تو میں تمہیں زندگی میں ملنے والی سب سے بڑی خوشی کی بات بتانے والی ہوں! بولو سنو گی؟"

"ایسی خوش خبریاں سننے کو تو کان ترس گئے ہیں۔ اب بھی پوچھ رہی ہو سنو گی۔ بے وقوف لڑکی فوراً سناؤ۔" اس کی بات پر وہ کہنے لگی۔ پھر کچھ لمحے توقف کے بعد ٹھہر ٹھہر کر سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔

"اوئے ہوئے۔" ایمن نے اس کے چپ ہونے پر زور سے سیٹی بجائی کہ وہ خواہ مخواہ میں بلش ہو کر رہ گئی۔ یہ بھی اچھا تھا وہ بدتمیز لڑکی سامنے نہیں تھی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ۔

زندگی ڈوب گئی ان کی حسین آنکھوں میں
وہ میرے پیار بھرے افسانے کو انجام ملا

اس نے مارے شرم اور خفگی کے ریسیور پٹخ دیا۔ پھر بے اختیار کھل کھلا پڑی۔ اور ریسیور کو گھورنے لگی۔ اسے پکا یقین تھا وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہی ہوگی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ دوسرے پل گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور اٹھاتے ہی وہ زور سے چلائی۔

"ایمن اگر۔ اگر اب تو انسانیت کے جامے میں نہیں آئی نا تو بس میں بات نہیں کروں گی۔"

"مسئلہ یہ ہے خاتون کہ انسانیت کے جامے ملتے کہاں ہیں ذرا پتا بتا دیں۔ میں خرید لوں گا۔" دوسری طرف ایمن کی بجائے فہد کی آواز سن کر اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"اوہ۔ سوری میں سمجھی ایمن ہوگی۔ میری فرینڈ۔"

"یعنی اس کے حصے کی پھٹکار میں نے کھا لی۔ چلو اس کی بچت ہو گئی۔" وہ ہنسا تو وہ جھینپ گئی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اور کیسے ہیں آپ؟ نانو کیسی ہیں اور؟"

"تمہاری دعا سے سب عافیت میں ہیں۔ بس خیر نہیں ہے تو میری نہیں ہے۔ ایمی

دے۔ پھوپھو کہاں ہیں آج انہوں نے بحد اصرار مجھے رات کے کھانے پر بلوایا ہے۔ کہہ رہی تھیں۔ پاپا سے بتا دوں گی تم ضرور آنا۔"

وہ حیران رہ گئی۔

"اچھا۔ مگر میرے علم میں تو یہ بات نہیں ہے۔ صرف آپ کو ہی انوائیٹ کیا ہے یا کسی اور کو بھی۔" وہ عمر کے بارے میں پوچھتے پوچھتے رہ گئی۔

"باقی کا تو مجھے علم نہیں ہے بس اپنی خبر ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ اور جانے کیوں اس کے اندر تیر سا اتر گیا۔ اسے ہمیشہ امی سے یہی شکایت رہی تھی کہ وہ نانو کے گھر میں فہد کو ہی اہمیت دیتی تھیں۔ پتا نہیں فہد سے انہیں اتنا قلبی لگاؤ کیوں تھا۔ حالانکہ عمر بھی ان کا ہی بھتیجا تھا۔ ان کا خون تھا۔ ان کے چہیتے بھائی کی اولاد تھا۔

"یار عینی تم ماں بیٹی میرے لئے اتنا نہیں کر سکتیں کہ پاپا کو میرے باہر جانے کے لئے راضی کر لو۔ صرف دو سال کی تو بات ہے۔ یار کون سا میں عمر بھر وہیں چپک جانے کو کہہ رہا ہوں۔" وہ اپنے مطلب پر آ گیا۔ عینیہ گہری سانس بھر کر مسکرانے لگی۔ "سنا ہے بلکہ تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ دیار غیر جانے والے چپک ہی جاتے ہیں۔ پتا نہیں کون سا سلوشن لگا کر جاتے ہیں۔"

"مگر میں بائی گاڈ کوئی سلوشن لگا کر نہیں جاؤں گا۔ تاریخ کو ہرگز نہیں دہراؤں گا پلیز یار ہیلپ می عینی۔ ثمرہ پھوپھو اور بدقسمتی سے تمہاری بات پاپا مان لیتے ہیں۔" وہ التجا پر اتر آیا۔ وہ سٹپٹا گئی۔

"سوری فہد بھائی' اس معاملے میں وہ میری ماننا تو دور کی بات' سننا بھی شاید گوارا نہیں کریں' اور پھر نانو بھی تو نہیں چاہتیں کہ آپ....." اس نے یہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ ثمرہ کھڑی تھیں اور بغور اس کی گفتگو سن کر کھوج میں تھیں کہ وہ کس سے محو

گفتگو ہے۔ وہ فوراً جان چھڑانے کو بولی۔

"چلیں آپ ایسا کریں۔ مما سے بات کریں ہو سکتا ہے وہ اس معاملے میں کوئی مدد کر سکیں۔" اس نے کہا تو وہ بولا۔

"ہاں' دو پھوپھو کو ہی دو۔ تم سے تو کوئی امید رکھنا ہی بے کار ہے تم دادی کا دوسرا روپ ہو۔" وہ شاید جھنجلا گیا تھا۔ وہ ہنسنے لگی اور ثمرہ کی طرف ریسیور بڑھا دیا۔

"لیجئے۔ آپ کے چہیتے بھتیجے کا فون ہے۔ بات کیجئے۔" اس کے اس طرح کہنے پر ثمرہ نے آگے بڑھ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے ذرا گھور کر اسے دیکھا تھا اور پھر سارے جہاں کی مٹھاس لہجے میں بھر کر فہد سے باتیں کرنے لگیں۔ جبکہ عینیہ وہاں سے نکل کر لاؤنج میں چلی آئی اور صوفے میں دھنس کر کشن گود میں دبا کر ایک دلفریب احساس میں گم ہو گئی۔

زندگی ڈوب گئی ان کی حسین آنکھوں میں
وہ میرے پیار بھرے افسانے کو انجام ملا
ان کی نظروں سے محبت کا جو پیغام ملا
دل یہ سمجھا کہ چھلکتا ہوا اک جام ملا

ایمن کی شرارتیں یاد آنے لگیں اور ذہن پر خوب صورت یادوں کی برسات ہونے لگی۔

کئی دنوں بعد وہ تیمور والا آئی تو اماں اس سے اتنے دنوں کی غیر حاضری کی شکایت کرنے لگیں۔

"کیا کروں نانو۔ امتحانات سر پر ہیں۔ سارا سارا دن کتابوں میں سر کھپاتے گزر

جاتا ہے۔" وہ ان سے پلٹ کر صاف جھوٹ بول گئی اور اپنے جھوٹ پر اندر ہی اندر ہنس پڑی۔ (آپ کے پوتے کو پڑھ رہی ہوں نا تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات) دل میں اس نے سوچا۔

"ہاں تمہارے تو ایگزام بھی اب ہونے والے ہیں۔ ایسے وقت تو سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی۔" ثمن چائے کی ٹرالی لیے ادھر ہی آ گئیں۔ "فہد کے ایگزام ہوتے تو دروازہ اندر سے لاک کر کے رکھ لیتا۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ میں کہوں لڑکے کم از کم دروازے کو لاک تو مت کیا کرو۔ میں کھانا تو رکھ جایا کروں تو پتا ہے کیا کہتا ہے۔ امی جان اسی لیے تو لاک لگائے رکھتا ہوں۔ آپ بار بار ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے ڈسٹرب کرنے چلی آتی ہیں۔ کبھی دودھ لیے کبھی جوس تو کبھی پڈنگ کبھی کچھ۔" وہ چائے اس کے آگے رکھتے ہوئے بولیں تو وہ ہنس پڑی۔

"صغریٰ! ذرا یہ چائے عمر کو دے آؤ۔" انہوں نے ایک کپ اماں جان کے آگے رکھا اور دوسرا اٹھا کر ملازمہ کو آواز دینے لگیں تو وہ جلدی سے بولیں۔

"لائیں میں دے آتی ہوں۔ یوں بھی مجھے عمر بھائی سے کام بھی ہے۔" اس نے جلدی سے ثمن کے ہاتھ سے مگ تھام لیا اور کھڑی ہو گئی۔ ثمن نے بس ایک دو لمحے اس کی طرف دیکھا۔ بولیں کچھ نہیں پھر سر ہلا کر اپنا مگ بھرنے لگیں اور وہ ان کی اٹھتی نظروں سے بے نیاز سرعت سے لاؤنج سے نکل کر عمر کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اپنے بیڈ روم سے ملحقہ کمرے میں اپنی ادھوری پینٹنگ پوری کرنے میں مصروف تھا۔ آہٹ پر ذرا سا چہرہ موڑا تھا اور لحظہ بھر کر چلتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

"یہ آپ کی چائے۔" اس نے مگ ریک پر ہی رکھ دیا اور خود بھی وہیں کھڑی ہو کر ایزل پر لگی پینٹنگ دیکھنے لگی مگر کچھ پلے نہ پڑی۔ عجیب الجھی الجھی سی تصویر تھی۔ یوں

لگ رہا تھا سفید شیٹ پر ادھر ادھر رنگ بکھرے ہوئے ہوں اس نے سوچا پتا نہیں ان بکھرے رنگوں میں کوئی واضح تصویر کس طرح جھلکے گی۔ انہیں کیسے تصویر کا روپ دیں گے۔ پھر سر جھٹکا۔

یہ خالص ان کا درد سر تھا۔ اسے کیا' وہ تصویر چھوڑ کر اس کی جیتی جاگتی شخصیت کو دیکھنے لگی۔ پھر دھیرے سے خود ہی بولی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک' تم سناؤ۔ اسٹڈی ہو رہی ہے یا نہیں۔ میرا خیال ہے بیس تاریخ سے تمہارا پہلا پیپر ہے۔" اس کی اس معلومات پر وہ پہلے تو حیران ہوئی پھر دل خوشی سے بھر گیا۔ اس کے معاملے میں اتنی دلچسپی لیتا تھا۔ وہ سراثبات میں ہلاتے ہوئے کمرے میں چیزوں پر نگاہیں دوڑانے لگی۔

"پہلا پیپر کس سبجیکٹ کا ہے؟" وہ ہنوز تیزی سے برش سے رنگ پھیرتے ہوئے اسے ہم کلام بھی تھا۔

"اکنامکس۔"

"اچھا چلو ایزی ہے۔"

"کہاں۔ آپ کے لیے ہوگا۔ اتنا مشکل لگتا ہے مجھے تو۔" وہ منہ بنا کر بولی تو وہ ذرا سا چونکا اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"دنیا میں کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اچھا ذرا یہ نیلی ٹیوب اٹھا کر دینا۔" وہ اپنی تصویر پر تنقیدی نظریں ڈالے ہوئے بولا۔ وہ شاید اس میں کوئی فالٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے ذرا فاصلے پر رکھی میز سے نیلے کلر کی ٹیوب اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی اور اسے متوجہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ لیجیے۔"

وہ پلٹا نہیں اور یونہی رخ موڑے موڑے ہاتھ بڑھا کر ٹیوب لینی چاہی مگر بالکل اچانک ٹیوب کی بجائے اس کا نرم ملائم ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

پتا نہیں یہ دانستہ ہوا تھا یا نادانستہ۔

عینیہ کے تو پورے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

اس کے ہاتھ کے لمس نے اس کے اندر بجلی سی بھر دی۔

اسے اپنا پورا جسم دل کی طرح دھڑکتا محسوس ہونے لگا۔

وہ شاید بے خبر تھا۔ اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر جیسے انتہائی مصروفیت کے عالم میں دھیان نہ دے سکا اور ہاتھ سے گرفت ہٹا کر وہ ٹیوب تھام لی اور اسے پلیٹ میں نکال کر گھولنے لگا۔

"مشکل کوئی سبجیکٹ اس وقت لگتا ہے لڑکی۔ جب تیاری مکمل نہ ہو۔ وہ سر کے اوپر سے گزر گیا ہو۔ دل جمعی سے پڑھائی کی طرف توجہ دو۔ ابھی سیکنڈ ائیر میں ہی اتنی مشکل پڑ رہی ہے تو بی کام کیسے کرو گی۔" وہ برش سے رنگ مکس کرتے ہوئے بول رہا تھا۔ جبکہ وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ کر اس کے بیڈ کے کنارے جا کر بیٹھ گئی تھی اور دل کی حالت معمول پر لانے کی کوشش کرنے لگی۔ اور بیٹھے بیٹھے بس سر اٹھا کر اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

وہ اس پر آگ کے چھینٹے پھینک گیا تھا اور کیسا بے خبر تھا۔ اس نے ایک گہری سانس بھری اور جلدی سے سر جھکا لیا۔ وہ رنگ اور برش ٹیبل پر رکھ کر چائے کا مگ اٹھا کر پلٹا تھا اور پھر قریبی اسٹول پر بیٹھ گیا۔ اتنی چھوٹی سی اسٹول پر اتنا لمبا چوڑا شخص عجیب سا لگ رہا تھا۔

وہ اس پر نگاہیں ڈال کر پھر بلاوجہ اس کے بیڈ کے سائیڈ پر رکھے لائٹر کو اٹھا کر اسے کھولنے اور بند کرنے لگی۔

"میں کوئی بی کام نہیں کر رہی ہوں۔ بی اے کروں گی۔ مجھے اکنامکس سے بالکل بھی دلچسپی نہیں ہے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے لائٹر کھٹ کیا۔ ہلکا سا شعلہ اچھلا اور معدوم ہو گیا۔ پھر کھٹ کیا۔ شعلہ اچھلا مگر جلتا رہا اور وہ اس شعلے کو دیکھنے لگی۔ تب اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے لائٹر چھیننا چاہا تو وہ فوراً متوجہ ہوگئی اور جھٹکے سے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"آگ سے کیوں کھیل رہی ہو بے وقوف لڑکی! جل جاؤ گی۔" وہ خالی ہاتھ نیچے کرتا ہوا اسے بغور دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

وہ پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی پھر لائٹر دوبارہ آگے کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا لگتا ہے آگ سے کھیلنا۔ میں جلنے سے نہیں ڈرتی۔" اس کے انداز میں بے پروائی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور پھر نرمی سے لائٹر لیتے ہوئے بولا۔

"اچھی بات ہے ڈرنا بھی نہیں چاہئے۔ میں جو ہوں نا تمہارے قریب۔ تمہیں جلنے نہیں دوں گا۔"

عینیہ کے دل پر جیسے ایک بار پھر آگ کے چھینٹے پڑے تھے۔ بے ساختہ اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تھا مگر وہ سر جھکائے دراز سے سگریٹ کا پیکٹ تلاش کر رہا تھا اور وہ ایک بار پھر دل کو اپنی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

اس کے ذومعنی جملوں نے اس کے بدن کو جیسے شل سا کر کے رکھ دیا تھا۔

وہ پلٹا تو اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی جسے وہ لائٹر کا شعلہ دکھا رہا تھا۔

"اور اب جو آپ اپنے اندر آگ اتار رہے ہیں۔ جلنے کا ڈر نہیں۔ یہ تو خاکستر کر دینے والی شے ہے۔" وہ جانے کیسے جواباً ذومعنی بات کہہ گئی۔ ایک دو پل وہ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دھواں لبوں سے باہر نکال کر دھیمے سے مسکرایا۔

''نہیں تم جو پاس ہو کیا جلنے دو گی مجھے؟'' وہ اچانک اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر پلکوں کی باڑھ کے ساتھ چہرہ بھی جھکا لیا۔ اسے اپنے ہر مسام سے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہونے لگا، رخسار تپتے ہوئے محسوس ہونے لگے جیسے ان پر کسی نے دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔ اس صورت حال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ پھر تیزی سی اپنی جگہ سے اٹھی۔

''ارے وہ میں اپنی چائے تو نانو کے پاس ہی بھول آئی ہوں۔'' عجیب بے تکے پن سے وہ بہانہ بناتی دروازے کی جانب بھاگ لی۔

عمر نے بند دروازے کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر بیڈ پر بیٹھ کر اس کی اونچی پشت سے ٹیک لگا لی۔

اسے یکدم اپنی کنپٹیوں پر دباؤ سا محسوس ہونے لگا۔

شدید ترین احساس ندامت اور بے بسی کا غلبہ ہوا تو جبڑے بھینچ گئے۔ وہ بڑے بڑے کش لگاتا ہوا دھواں کچھ اندر اور کچھ باہر پھینکتا گیا۔

عینیہ کا معصوم، پاکیزہ شفاف حسن اس کی نگاہوں تلے لہرانے لگا۔

ایک پل وہ خود کو دنیا کا انتہائی غلیظ شخص محسوس کرنے لگا۔ خود سے کراہیت آنے لگی۔

مگر دوسرے پل اپنی ذات پر لگائے گئے الزامات کے انگاروں کی تپش جھلسانے لگی جو پھر ثمرہ نے مارے تھے اس کی اذیت ایک بار پھر شدت سے محسوس ہونے لگی۔

وہ کراہیت اور ندامت کے احساس سے نکل کر، پھر بے حسی کی ڈھال میں چھپ گیا۔

وہ ماضی کو فراموش کر سکتا تھا مگر اب حال کے اس واقعہ کو نہیں جس نے اس کی رگ

رگ کو نفرت آمیز انتقام سے بھر دیا تھا۔

میں پانچ دس سال عمر تیمور نہیں ہوں ثمرہ پھوپو جو تذلیل کے احساس کو گھول کر پی جانے پر مجبور تھا۔

میرے لاشعور میں بس اہانت کے اس سارے احساس کو بھی دفعتاً جگا دیا ہے آپ نے اور میں اب جو میرے اندر اتارا گیا ہے آپ کی طرف سے۔

اس نے انگلیوں تک آ جانے والی سگریٹ کی سلگتی راکھ کو دیکھا اور آہستگی سے اسے جھٹکنا چاہتا تھا۔

وہ کتنے دنوں تک ''تیمور ولا'' نہ جا سکی۔ اٹھتے بیٹھتے کبھی اسے اپنے ہاتھ پر اس کا وہ لمس محسوس ہوتا' کبھی اس کے جملے سماعتوں سے ٹکرانے لگتے اور دل پہلو میں مچل مچل جاتا۔ بار بار وہ منظر یاد کرتی۔ وہ جملے ذہن کی سطح پر لاتی' اور کتنی دیر تک دل کی دھڑکنوں کے شور کو سنتی رہتی۔ دھیرے دھیرے مسکراتی رہتی۔

اس روز ایمن کے ساتھ اسٹڈی کرتے ہوئے بھی اس کا دھیان کتاب کی بجائے عمر کی طرف تھا ایمن نے اسے جھڑکا۔

''خدا کے لئے عینی۔ پڑھائی پر توجہ دو۔ کل پیپر ہے اور تم ہو کہ فضول سوچوں میں کھوئی ہوئی ہو۔''

''جواباً اس نے ایمن کی طرف بڑی بے بسی سے دیکھا اور لب بھینچ کر کتاب زور سے بند کر دی۔

''میں کیا کروں ایمی۔ میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ کتاب کھولتی ہوں تو بس وہی چہرہ نظر آتا رہتا ہے۔ کتاب میں لکھے الفاظ گم ہو جاتے ہیں۔ اور اسکی آواز۔ اس کی باتیں ذہن میں گونجنے لگتی ہیں۔''

''ایمن زور سے ہنس پڑی۔ پھر قدرے سنجیدگی سے بولی۔

''چلو ٹھیک ہے عینی..... مگر سوچو۔ اس طرح تو تمہاری پڑھائی سخت متاثر ہو رہی ہے۔ دیکھو محبت اپنی جگہ' پڑھائی اپنی جگہ' تمہیں اپنا فیوچر بنانا ہے۔ محبت کو راہ کی رکاوٹ مت بناؤ اسے محض دل کے اندر رکھو۔ خدا کے لئے اب رونے مت بیٹھ جانا۔ کتاب کھولو تو خود دل لگے گا'' وہ اسکی آنکھوں میں یکدم امڈنے والی نمی کو دیکھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ پھر گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر فضا کے سپرد کرتے ہوئے بڑی بے دلی سے کتاب کھول کر مطلوبہ چیپٹر ڈھونڈنے لگی۔ ایمن نے بے جلس کر وہ چیپٹر کھول کر جھٹکے سے اس کے سامنے کر دیا اور تنبیہی آمیز نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ اس نے کھسیا کر جلدی سے کتاب پر نگاہیں جھکا دیں پھر کتنی ہی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ ایمن بھی اپنا جرنل کھول کر پڑھنے لگی۔

''ایمن!'' کئی لمحے توقف کے بعد وہ بولی تو ایمن چونکی مگر سر جھکائے جھکائے ہی ''ہوں'' کہا پھر اس کی خاموشی پر سر اٹھا کر بولی۔

''کیا ہوا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے کیا۔'' اس کا اشارہ کتاب کی طرف تھا وہ سر ہلانے لگی۔

''ہاں۔ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔ تم سمجھاؤ نا۔''

''چلو پوچھو۔ کیا سمجھ نہیں آ رہا؟'' وہ بال پین جرنل پر رکھ کر اسے اور پھر کتاب کو دیکھنے لگی۔ تب وہ دھیرے سے مجرمانہ انداز میں بولی۔

"میں اس شخص کو شدت سے چاہتی ہوں ایمی۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔ کیا وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے اور اتنی شدت سے۔"

ایمن نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں کہ کوئی چیز ہاتھ لگے جسے اٹھا کر وہ اس کے سر پر کھینچ مارے۔

وہ اس کا ارادہ بھانپ کر بے ساختہ ہنسی کو نہ روک پائی تھی۔

"بس..... نہیں پڑھا جاتا ناں مجھ سے۔ دے دوں گی۔ پیپر جیسے تیسے۔"

اس نے کتاب زور سے بند کی اور دور دھکیل دی پھر دونوں پیر سکوڑ کر گھٹنوں پہ تھوڑی نکالی۔

"میرا دل چاہتا ہے تمہارے دل کو اور عمر تیمور کو گولی مار دوں۔ جانے کہاں سے ٹپک پڑا یہ شخص۔ اور مرو تم محبت کی آگ میں۔ میں چلتی ہوں۔" ایمن اپنی کتابیں اسائمنٹس سمیٹنے لگیں تو وہ گھبرا گئیں۔

"کک..... کیا مطلب..... تم جا رہی ہو۔ ایمی پلیز ایسے تو مت کرو۔" اس نے منت آمیز انداز میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تو کیا کروں۔ تمہارے ساتھ بیٹھ کر لمبی لمبی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھروں۔ غم زدہ آہیں بھروں اور سنوں۔ ہٹاؤ ہاتھ سدھرنا ہے تو سدھر جاؤ۔ کم از کم ایگزام کے دنوں میں تو دل و دماغ پر کنٹرول رکھو۔"

ایمن کی اس جھاڑ نے واقعی اثر کیا وہ سنجیدگی کے ساتھ کتاب کھول کر رٹا لگانے لگی۔

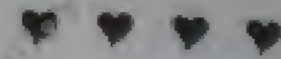

آخری پرچہ دے کر آئی تو اسے لگا جیسے اس کی روح کسی بوجھ سے آزاد ہو کر ہلکی

پھلکی ہو گئی ہو۔ وہ کتابیں ایک طرف ڈال کر نہا دھو کر سیدھی "تیمور ولا" پہنچی تو وہاں خاصی چہل پہل نظر آئی۔ محسن کی بہن اپنی دونوں بیٹیوں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔ لاؤنج میں خاصی رونق تھی۔ فہد قالین پر بیٹھا کشن گود میں دبائے کوئی لطیفہ سنا رہا تھا جس پر خود بھی ہنس رہا تھا اور سب کو ہنسا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا وہ محسن کو سلام کر کے اس طرف ہی آ گئی۔

"آؤ کزن۔ ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔"

"میرا ذکر..... مگر ابھی تو تم لطیفے سنا رہے تھے۔" وہ صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تو تمہارا ذکر ہوا ناں۔" وہ برجستہ بولا تو حما اور مونا ہنسنے لگیں۔ جب کہ اس نے صوفے سے کشن اٹھا کر اسے جڑ دیا۔

"تم ہو کے لطیفہ بلکہ لطائف۔ نانو کہاں ہیں؟" اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اٹھنے لگی کہ فہد نے اسکی کلائی پکڑ لی۔

ہمارے پاس بھی بیٹھو بس اتنا چاہتے ہیں
ہمارے ساتھ طبیعت اگر تمہاری لگے

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "مجھے پتا ہے دادو کا تو بہانہ ہے تم ابھی عمر کے کمرے میں دوڑ لگاؤ گی۔"

وہ کلائی چھڑاتے ہوئے دھک سے رہ گئی۔ پہلو میں دل بے ترتیب سا ہوا۔ پلکیں جھپک کر اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ تو کیا اس کی بے تابیاں سب کو دکھائی دینے لگی ہیں؟

"میں نانو کے پاس ہی جا رہی ہوں۔ سمجھے تم۔" اس نے بروقت خود کو سنبھالتے

ہوئے کہا اور پلٹ کر لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

فہد نے سچ ہی تو کہا تھا نا تو گویا بہانہ تھا اس کے قدم بیتابانہ انداز میں راہداری کے آخری والے کمرے کی طرف اٹھنے لگے اور بڑھتے قدم کے ساتھ دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پہلو سے نکل جائے گا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہلکے سے دباؤ سے ہی پورا کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئی مگر کمرہ خالی تھا۔ اس نے درمیانی پردہ ہٹا کر دیکھا یہ حصہ بھی خالی تھا۔ البتہ واش روم کی بتی جل رہی تھی اس کا مطلب تھا وہ اندر ہی تھا۔ وہ یہیں بیٹھ کر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی اور یونہی رائٹنگ ٹیبل پر آ کر ترتیب سے سجی ڈائریوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ایک ڈائری کھلی ہوئی الٹی رکھی تھی یوں جیسے کوئی لکھتے لکھتے یا پڑھتے پڑھتے ابھی اٹھ کر گیا ہو۔ وہ رائٹنگ ٹیبل کی ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور ڈائری کھول کر اس کے ورق گردانی کرنے لگی۔

خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں کچھ آفس کا ورک تھا۔ کہیں کہیں حساب کتاب اور درمیان کے چند صفحات پر شاعری رقم تھی۔

اس کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ ہی تحیر آمیز مسکراہٹ چمکی تھی۔ وہ پڑھنے لگی۔

ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیمان بھی ہے
عہد و پیماں سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

اس نے صفحہ پلٹا ایک اور نظم لکھی ہوئی تھی۔ وہ پڑھنے لگی کہ کسی نے پیچھے سے اس کے ہاتھ سے نرمی سے ڈائری لے لی۔

''بہت بری بات ہے ایسی چیزیں بغیر اجازت نہیں اٹھائی اور پڑھی جاتیں۔''

وہ شرمندہ سی ہو کر جلدی سے کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ وہ نہا کر نکلا تھا کندھے پر گیلا تولیہ پڑا تھا بالوں میں پانی کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

''بس یونہی نظر پڑی تو پڑھنے بیٹھ گئی۔'' وہ جھینپ کر وضاحت کرنے لگی۔

''ہر چیز پڑھنے کی نہیں ہوتی۔'' اس کی بھاری دھیمی آواز بے حد قریب سے گونجی۔ پھر وہ اسی دھیمے لہجے میں بولا۔ ''ویسے کچھ سمجھ میں آیا؟''

''نہیں.... اس قدر مشکل شاعری تھی اور اتنی اداس۔'' وہ سادگی اور صاف گوئی سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے دور ہٹی پھر کرسی کے ہتھے پر ہاتھ جماتے ہوئے اس کے ہاتھ میں موجود ڈائری کو دیکھ کر بولی۔ ''اس قدر اداس اور بجھی بجھی شاعری کیوں کرتے ہیں۔ آپ؟''

اس کی بات پر وہ زیر لب مسکرانے لگا اور ڈائری ٹیبل پر رکھ کر دوسری اٹھائی۔

''یہ میری نہیں فیض کی شاعری ہے جو میں کرتا نہیں پڑھتا ہوں۔ میں تو آج کل اس طرح کی شاعری پڑھنے اور لکھنے لگا ہوں۔'' اس نے سیاہ جلد والی ڈائری کھولی اور اسے تھما دی پھر پلٹ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔

اس نے ایک نظر اس کی پشت پر ڈالی پھر ہاتھوں میں تھمائی گئی اس ڈائری پر جس کے سفید براق صفحے پر اس کی ہینڈ رائٹنگ کسی موتیوں کی طرح بکھری دکھائی دے رہی تھی۔

میری زندگی میں بس اک کتاب ہے
اک چراغ ہے
اک خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیاں جو منزلیں ہیں

میں چاہتا تھا

تمہارے ساتھ بسر کروں

یہی کل اثاثہ زندگی ہے

اس کو زادِ سفر کروں

میرے دل جادہ خوش پہ بجز تمہارے

کبھی کسی کا گزر نہ ہو

مگر اس طرح کہ تمہیں بھی خبر نہ ہو۔

دوسرے صفحے پر بھی ایک چھوٹی سی نظم تحریر تھی مگر اس سے مزید پڑھا ہی نہ گیا۔ تنہا ہوتی تو شاید ضرور پڑھتی بلکہ بار بار پڑھتی۔ مگر اس وقت اسے اپنے اعصاب پر ہلکا سا ارتعاش طاری ہوتا محسوس ہوا تھا۔ اسے لگا جیسے عمر اسے یہ نظم خود پڑھ کر سنا رہا ہو۔

ڈائری اس نے جلدی سے رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دی۔

وہ اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے گداز ہونٹوں میں دھیمی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس نے اسے پلکیں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

کیا خیال ہے؟ یہ تو اداس اور بجھی بجھی شاعری نہیں تھی۔'' وہ پیروں میں سادی چپل ڈالتے ہوئے بولا اور پلٹ کر وارڈ روب کھولتے ہوئے اچانک یاد آنے پر بولا۔

''ارے ہاں۔ تمہارا برتھ ڈے گفٹ تو یونہی میری الماری میں ہی رکھا رہ گیا ہے۔'' وہ جلدی جلدی الماری میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

وہ چونکی، پھر مسکرا دی۔

''میری برتھ ڈے کو گزرے دو ماہ ہو چکے ہیں۔''

''اب کیا کیا جائے کہ لیا تو دو ماہ پہلے ہی تھا مگر خیال ہی نہیں رہا۔'' وہ پلٹا تو اس

کے ہاتھ میں ایک گفٹ پیک تھا جو اس نے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ویسے تو تحفہ وہی اچھا جو بروقت ملے اور خاص کر پیار بھرا تحفہ تو بروقت ہی ملنا چاہئے۔ جذبوں کا ترجمان بن جاتا ہے۔ اینی وے۔ آئی ایم سوری فور ڈیلے۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک گہری معذرت خواہانہ نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ دھڑکتے دل کے ہمراہ آگے بڑھی اور وہ گفٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا جو بے حد نفیس ریپر میں عمدہ طریقے سے پیک کیا ہوا تھا اور اس کے اوپر لکھا ہوا تھا۔

ایک بے حد قیمتی لڑکی کیلئے۔

اس جملے نے اس کے خون میں نشہ سا دوڑا دیا۔ وہ شوریدہ سر لہروں کے طوفان میں جیسے بہہ سی گئی۔

عمر تیمور اپنے عام سے سراپے مگر مقناطیسی شخصیت کے ساتھ اس کی روح تک میں اتر گیا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ، جملہ قیمتی تھا۔

''تھینک یو عمر بھا...... بھائی'' اس کے لئے اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''اٹس آل رائٹ۔'' وہ مبہم سے انداز میں مسکرا دیا۔

پھر وہ خاصی دیر اس کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ عام سی گفتگو میں کبھی کبھی عمر کے ذومعنی جملے اسے لمحہ بھر کے لئے ٹپٹا دینے پر مجبور کر دیتے۔ کبھی اسے مہر بلب کر ڈالتے.... مگر پھر دوسرے پل وہ نیا موضوع یوں لے آتا کہ اس کا تاثر دھیمہ پڑ جاتا اور ایسے میں وہ شکر ادا کرتی۔

ہاں مگر تنہائی میں اس کی باتیں، اس کی مسکراہٹیں اس کے دل میں طوفان بپا کر دیتیں اسے لگتا وہ عمر کی محبت میں پور پور ڈوب چکی ہے۔ اس کی شخصیت کا سحر حوض کا مقید پانی نہیں تھا بلکہ ایک رواں سمندر تھا جو اسے ٹھہرنے نہیں دے رہا تھا اور وہ تنکے کی طرح بہتی

چلی جا رہی تھی اسے ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ اس کی محبت کے حرم میں گرفتار [illegible]
ہوتی جا رہی ہے۔

دیکھا تو اسے اس روز لگا کہ جب اس کا [illegible]
رہا تھا۔

''آپ کو بہت بہت مبارک ہو [illegible]'' [illegible]
وہ دوپہروں میں رہ گئی تھی باقی کے [illegible] تھے۔

وہ مارے شرمندگی کے زمین میں گڑ کر رہ گئی۔

میٹرک میں [illegible] نمبروں میں کامیاب ہونے والی [illegible]
توقع نہ تھی۔ خود تیمور ولا میں بھی یہ خبر [illegible]
ثمرہ اسے خوب لتاڑ رہی تھیں۔ اور وہ صوفے میں [illegible]

اسی بات سے ڈرتی تھی [illegible] تمہارا [illegible]
ثمرہ نے کہا تو یہ پایا تھا کہ ''تمہارا تمر کے کمرے میں بھاگ [illegible]
[illegible] جانے کی مصلحت کے تحت وہ صرف ''تیمور [illegible]'' کا کہہ کر رہ گئی۔ [illegible]
خدشات کی آہٹ بے حد نزدیک محسوس ہونے لگی تھی۔

تیمور ولا میں بھی سب کو شاک ہی لگا تھا۔ خود تمر بھی [illegible]
تھا، ذہن خالی خالی ہو کر رہ گیا کہ وہ اس خبر کو کس انداز میں لے گی [illegible]
وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

[illegible] اس کے اندر ایک صدا اٹھی۔ جھوٹ بولتے ہو تمر۔ تمہارے لیے [illegible]
جھوٹا نہیں ہے۔

اسے لگا جیسے کوئی اسے اندر سے جھنجھوڑ کر اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ وہ [illegible]

[illegible] گیا۔ وہ اس جان کے پاس بیٹھی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر [illegible] اس کے رزلٹ پر حیرت کا
اظہار کر چکے تھے۔ ایک وہی چپ تھا [illegible] اس کے پاس نہ جانے کی [illegible] کرنے آیا تھا۔ [illegible]
اس کے بعد وہ خود ہی جانے سے پہلے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اسے دیکھ
[illegible] کھول کر خود کو مصروف ظاہر کرنے لگا اور اس میں سے فائلیں نکال نکال کر دیکھتا
بیٹھا۔

وہاں [illegible] آنکھیں [illegible] چہرے کے ساتھ وہ دروازے کے پاس
[illegible] انداز میں شکریہ کہا۔

[illegible] ظاہر کرنے [illegible]
''میں [illegible] آپ [illegible] آپ کے [illegible]
[illegible] فرض ادا کرنے [illegible]''

وہ اندر چلی آئی۔

[illegible] اس کی [illegible] نظریں [illegible] وہ اس کی طرف
دیکھنے سے [illegible] کہ وہ لڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ [illegible]
[illegible] کے باعث [illegible]
محسوس ہو رہا تھا۔

''آپ بھی [illegible] لیجئے تو اچھا ہی تھا۔'' وہ دھیرے سے بولی [illegible]
[illegible] لگی۔

''یہ تمہارا [illegible] معاملہ ہے [illegible] اچھا رزلٹ آتا تو مجھے بے حد خوشی ہوتی
[illegible] یہ پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیوں ہو گیا؟''

[illegible] اس کی سسکیاں [illegible] لگیں پھر
[illegible]
سسکیاں [illegible] آنسو [illegible]

مار ڈالی۔

"میں نے ابھی تم سے کچھ چاہا تھا کہ اپنا کچھ خیال رکھنا ہے۔ اس طرح [illegible] چاہے۔ اپنے آپ سے میرا واسطہ ختم ہو جانے تک کی طرح آپ [illegible] کے سب میں بہہ جاؤں۔ تمہیں کرنی اس طرح تو ٹھیک ہے کبھی [illegible] چاہتا۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بلکنے لگی۔ [illegible]

اسے ہر گز توقع نہیں تھی اس کی طرف سے اس طرح کے [illegible] سے [illegible] کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا رد عمل اختیار کرنا چاہیے۔ [illegible] نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے قریبی صوفے پر بٹھایا [illegible] دونوں ہاتھوں [illegible] ڈھانپے رونے جا رہی تھی۔ اس نے نرمی سے چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

"تمہارے اس طرح رونے سے مجھے صرف [illegible] کا بوجھ [illegible] قدرے پرسکون تھا۔ "میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ [illegible] پڑ جاتی ہو تم۔۔۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ تم اپنا تماشا [illegible] ایک [illegible] رکھو۔"

"بہت بولنے لگی ہیں آپ۔" وہ یکدم جھٹک کر کندھے پر [illegible] اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سا [illegible] ترین احساس کیا تھا لیکن اس میں بے دردی سے کاٹنے لگی۔ ہاں بھلا وہ کس دلیل سے اس کی بات کو رد کر سکتی تھی۔ وہ کیوں کر اسے مجرم ثابت کر سکتی تھی۔

اس نے جو آج تک محسوس کیا تھا اس کی بنیاد کیا تھی۔ کس طور سے [illegible] مجرم ثابت کرتی۔ وہ تو ایسا شکاری تھا جو جال ہی [illegible] کرتا ہے۔

اس کے ہاتھ خالی تھے کسی بھی الزام سے۔ وہ کس طرح اسے مجرم کے کٹہرے

کے مرتب پر کھڑی تھی۔

میں کھڑی رہ کر [illegible] اس کے [illegible] ہاتھوں دوڑ کے دور سے اس کی وہ تو خود ہی پاگل تھی جو جانے انجانے میں دل کے [illegible] جہاں پیچھے [illegible] بھول [illegible] ہاتھ [illegible] آگے [illegible]

[illegible] سے [illegible] ہاتھ۔

[illegible] اس شخص کو [illegible] کر [illegible] اس [illegible]

شخص نے [illegible] قید کر لیا ہے۔

[illegible]

[illegible] ہاتھ۔

[illegible] آنکھوں میں [illegible]

[illegible] محسوس کرتے۔

[illegible] ہاتھ [illegible] کھڑی رہی۔

[illegible] برف کی طرح پگھل رہی [illegible]

وہ اس تک پہنچنے کو [illegible] کی طرف بڑھا اور وہاں سے [illegible] اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تمہیں کیا پتا [illegible] نے تمہیں دل [illegible] سے چاہا ہے [illegible] دیا۔ یہ دل ان [illegible] میں لکھ دو۔" وہ یوں بول رہا تھا جیسے کسی کم سن بچے کو بہلا رہا ہو۔ وہ [illegible] کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ [illegible] کے اوپر [illegible] رکھتے ہوئے بولا۔

"میں ہاتھ تمہیں [illegible] چاہتا ہوں اس طرح [illegible] تم میرے اس مشورے پر عمل کر سکتی ہو۔ آگے تمہاری مرضی۔"

اس نے بس ایک نظر اس پر ڈالی اور بیڈ پر پڑا تولیہ اٹھایا وارڈ روب سے اپنا ہینگ کیا سوٹ نکال کر باتھ روم میں بند ہو گیا۔

وہ کتنی دیر کھڑی اس مشورے پر سوچتی رہی کہ عمل کرے یا نہ کرے۔ پھر جیسے کسی جذبے نے اسے کھینچا تھا۔ وہ آگے بڑھی اختیاطاً باتھ روم کے دروازے پر نگاہ ڈال لی ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر فضا کے سپرد کی اور بال پوائنٹ اٹھا کر ڈائری پر لکھنے لگی۔

"ارے میں پوچھتی ہوں کیا اکلوتی اولاد ہونے کا مطلب ہے اسے سر پر چڑھا دیا جائے۔ یہ سارا کیا دھرا اس کے باپ کا ہے۔ آنکھوں کا تارا بنا کر رکھا ہوا ہے پھر تو یہی دن دیکھنے ہوں گے۔"

ثمرہ سخت برافروختہ ہو رہی تھی۔ اماں جان نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا اور جھنجلا کر بولیں۔

"اب ختم بھی کرو ثمرہ۔ رات گئی بات گئی۔ تم تو لٹھ لے کر پیچھے پڑ گئی ہو بچی کے۔ لو پڑھائی نہ ہو گئی کوئی روز محشر کا حساب کتاب ہو گیا جس میں فیل ہو گئی۔"

"ہاں ثمرہ ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔ بھلا آج سے پہلے اس نے کبھی تمہیں مایوس کیا ہے۔" ثمن بھی اسی کی طرف داری کرتے ہوئے بولی تو ثمرہ کے سینے سے ایک کھینچی کھینچی اعصاب شکن سانس برآمد ہو گئی۔

اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہی بات تو تشویش میں مبتلا کرتی ہے کہ اب کیا ہو گیا ہے اور کیوں ہوا ہے۔

انہوں نے سر جھٹک کر تپائی پر رکھا چائے کا مگ اٹھا لیا جس پر گدلی سی تہہ جم گئی تھی

جو اس کے ٹھنڈی ہو جانے کی غمازی کر رہی تھی۔

"اب یہ ٹھنڈی ٹھار چائے پیو گی۔ لاؤ یہ دے دو میں گرم لے آتی ہوں۔" ثمن نے اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا اور وہ یونہی بے خیالی میں بیٹھی رہی۔

"پڑھائی تو ہوتی رہے گی۔ تم اس کی شادی کا سوچو۔ اب فہد نے الگ۔ باہر جانے کی رٹ لگا رکھی ہے مگر تیمور اسے کسی بندھن میں باندھے بغیر بھیجنے کا نہیں ہے۔ سچ پوچھو تو میں بھی دل سے نہیں چاہتی کہ چھڑے کنوارے کو باہر بھیج دیا جائے۔" اماں جان تکیے کے نیچے سے تسبیح نکالے بول رہی تھیں۔ ثمرہ نے چونک کر ان کی شکل دیکھی پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے اب مجھے جلد ہی اس فرض سے فارغ ہو جانا چاہئے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے کمرے میں داخل ہوتی ثمن کو دیکھا اور بولیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے ثمن؟ اماں کہہ رہی ہیں فہد کو تیمور بھائی نکاح منگنی کرنے کے بعد ہی بھیج سکتے ہیں۔ کتنے سال کے لئے وہ جانا چاہ رہا ہے؟"

ثمن چائے کا مگ اسے دے کر اماں کے تخت پر بیٹھ گئی اس موضوع پر اس کا چہرہ کچھ کھل اٹھا تھا۔

"ہاں تیمور اور خود میں' بلکہ اماں بھی یہی چاہتے ہیں مگر تم اور سلمان بھائی کچھ عندیہ دو تو بات بنے نا۔"

ان کی بات پر ثمرہ بے ساختہ ہنس دی۔

"لو میرے عندیے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بچپن سے طے ہے کہ عینیہ تمہاری اور تیمور بھائی کی بیٹی ہے اور فہد میرا بیٹا ہے۔ یہ رشتہ تو ہم عینی کے پیدا ہوتے ہی طے کر چکے ہیں۔"

”بچپن کی بات اور ہوتی ہے ثمرہ۔ اتنا وقت گزر جائے تو کیا سے کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ ذہن بدل جاتا ہے سوچیں، خیالات بدل جاتے ہیں۔“

ثمن سنجیدگی سے بولی۔ ثمرہ کا دل ایک لمحے دھڑکا۔ اس کے تصور میں عینی کا سراپا لہرایا.... ایک سوچ نے ڈنک مارا۔ اس سے پہلے کہ بیٹی کا ذہن بدلے اس کی سوچیں بدلیں۔ اسے واقعی کوئی فیصلہ کر دینا چاہئے۔

گرم گرم چائے ہونٹوں سے ٹکرائی تو وہ چونکی پھر لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولیں۔

”میری طرف سے آپ اماں اور تیمور بھائی آج ہی عینی کو انگوٹھی پہنا دیجئے۔ جب چاہیں آ کر رسم کر لیں اور چاہیں تو نکاح کر دیں۔ جو مناسب سمجھیں۔ میرے پاس تو وہ امانت ہے۔ آج نہیں تو کل آپ کو دینی ہی ہے۔“

ثمرہ کی بات کے اختتام پر اماں اور ثمن نے ثمرہ کو انتہائی مسرور نظروں سے دیکھا۔ ثمن کی تو مارے خوشی کے باچھیں کانوں تک جا پہنچی تھیں۔

”لو مجھے خبر ہوتی کہ اتنی بڑی خوشی یوں بیٹھے بیٹھے آج ہی مل جائے گی تو میں کچھ میٹھا ویٹھا پکا ڈالتی خیر فریج میں کل کی رس ملائی تو رکھی ہوئی ہے وہی لے آتی ہوں۔“ وہ لپک جھپک اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے سے باہر بھاگی۔ ثمرہ اور اماں بے اختیار ہنسنے لگیں۔

بڑی امید تھی کار جہاں میں دل سے مگر
اسے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

عمر کتنی دیر ڈائری کو گھورتا رہا۔ اس پر لکھے الفاظ اسے الجھی ہوئی لکیروں کی طرح محسوس ہونے لگے تھے۔ اسے اپنے ذہن پر شدید قسم کا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔

پہ کوئی اس کی توقع کے خلاف نہ ہوا تھا وہ کچھ اسی طرح کے ردعمل کے لئے تیار تھا۔ اس کے باوجود کوئی چیز اس کا دل مسوسنے لگی تھی۔ روح میں چٹکیاں بھر رہی تھی۔

ڈائری بند کر کے اس نے بھینچی بھینچی سانس بھری اور ڈائری بے دلی سے رائٹنگ ٹیبل پر پھینک دی اور کھڑکی کی سلائیڈ کھول کر باہر لان کے سناٹے کو گھورنے لگا۔

شام ڈھل رہی تھی۔ ملگجا سا اندھیرا ہر شے کو ڈھانپ رہا تھا۔ ہوا ساکن تھی ایک پتا تک نہ ہل رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے ہر شے کو کسی نادیدہ خوف نے چپ کی مہر لگا دی ہو۔ ایک وحشت سی برستی محسوس ہو رہی تھی ہر پودے سے۔

اس نے اچانک لب بھینچ کر سلائیڈ ایک جھٹکے سے بند کیا پھر سلائیڈ کے شیشے کو گھورتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ایک دو گہری گہری سانسیں لیں اور پلٹ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

وہ اور ثمرہ جا چکی تھیں۔ صبح سے نظر آنے والی چہل پہل دم توڑ چکی تھی۔ ثمن اپنے کمرے میں تھی وہ اماں جان کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ اپنے تخت نما پلنگ سے ٹیک لگائے تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائیں اور پاؤں سمیٹ کر اپنے قریب ہی جگہ بنائی۔

”چلو تمہاری بھی شکل نظر آئی۔ میری بھی عید ہوئی۔“ اپنائیت بھرا شکوہ ہمیشہ کی طرح کیسے بنا نہ رہ سکیں۔ اب تو وہ عادی ہو چکا تھا مسکراتے ہوئے ان کے برابر ٹک گیا۔

”سارا سارا دن آفس میں سر کھپاتے ہو اور پھر آتے ہی کمرے میں بند ہو جاتے ہو۔ ایک دن چھٹی کا ہوتا ہے اس میں بھی تم باپ بیٹے کی شکل نظر نہیں آتی۔ وہ الگ فائلیں تھامے گھر میں گھومتا ہے اور چشمہ چڑھا کر ان کاغذوں میں سر کھپانے لگتا ہے۔“

وہ ہنس رہا تھا کیا کہتا شکوے بجا ہی تھے وہ اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہی رہتا تھا۔

باپ کا سارا کاروبار سنبھال لیا ہے تم نے' ایک وہ فہد ہے کہ کدکڑیاں مارتا پھر رہا ہے۔"

یہی تو عمر ہوتی ہے دادی جان کہ کدکڑیاں مارنے کی۔ سمجھ آ جائے گی وقت کے ساتھ۔"

وہ اونچا ہو کر گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اماں نے چشمہ کے اوپر سے اسے گھور کر دیکھا۔

"بچہ ہے وہ۔ صرف تین سال ہی تو چھوٹا ہے تم سے اس عمر میں بھی سنجیدگی اور پختگی نہیں آئے گی تو کب آئے گی۔"

"پختگی کے لئے عمر کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو ایک لمحہ ہوتا ہے کوئی لمحہ زندگی میں ایسا آتا ہے انسان بدل کر رہ جاتا ہے سرتاپا۔" اس نے دھیرے سے سانس خارج کی اور بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ذرا سا مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکر کیجئے وہ میچور ڈ نہیں ہوا۔ ورنہ آپ کو اس سے بھی شکوے ہونے لگتے کہ وہ بھی شکل نہیں دکھاتا کہ کدکڑیاں لگاتا نظر نہیں آتا۔"

"اچھا بس...... رہنے ہی دو تم تو۔ یہ بتاؤ اب شادی بھی کرنی ہے یا اسی طرح ہی گھومتے رہو گے۔ دیکھو میاں میں کہتی ہوں سیدھی سیدھی اپنی پسند بتا دو۔ فہد سے پہلے میں تمہیں کھونٹے سے باندھنا چاہتی ہوں۔"

وہ تسبیح تکیے کے نیچے ڈال کر باقاعدہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"اوئے ہوئے یہ کسے کھونٹے سے باندھا جا رہا ہے ذرا میں بھی تو سنوں۔" فہد اماں کے کمرے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا تو اماں کا جملہ سماعت سے ٹکرایا۔ وہ کرسی کھینچ کر وہیں آ کر بیٹھ گیا۔

عمر نے مسکراتی نگاہ فہد پر ڈالی۔

"اس کی بات کر رہی ہوں۔ شادی کر رہی ہوں اس کی۔ میں پکا قصد کر لیا ہے۔"

اماں جان گویا غرائیں تھیں۔

کس کے نصیب اتنے روشن تاباں ہو رہے ہیں۔ وہ کون خوش نصیب ہے ذرا میں بھی تو سنو۔ مبارک ہو بھئی بہت بہت مبارک۔" فہد یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کر عمر سے بغلگیر ہونے کو اس کی سمت جھکا تو اماں نے اسے ایک ہاتھ جڑ دیا۔

"ارے یہ لڑکا مانے تو کسی کا نصیب کھلے نا۔"

انہوں نے عمر کو گھورا پھر قطعی لہجے میں بولیں۔

سن لو کان کھول کر اگر تمہاری کوئی پسند نہیں ہے تو بس پھر یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اور ثمن ڈھونڈ لیں گے کوئی۔"

"آں...... آں...... آ آپ...... ڈھونڈیں گی۔"

فہد نے آنکھیں پھاڑ کر اماں جان کر دیکھا پھر مشورہ دینے والے انداز میں بولا۔

آپ یہ کام نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اپنے جیسی سو سال کی بڑھیا ٹائپ کی لے آئیں گی۔ کیوں کہ آپ کو تو آج کی ہر لڑکی مغرب زدہ فیشن ایبل نظر آتی ہے۔ آپ کہیں گی موئی پر کٹی تھی ذرا نہ بھائی۔ کسی کے منہ میں چیونگم دیکھ لیا تو نخریلی کہہ دیں گی۔ کسی نے انگلش جھاڑ دی تو اس پر تو انگریزی کا ٹھپہ لگ جائے گا۔"

فہد کی شرارت پر عمر مسکرائے جا رہا تھا جب کہ اماں ادھر ادھر کوئی چیز ڈھونڈ رہی تھیں۔ جو فہد کو کھینچ کر مار سکیں پھر جھک کر چپل ہی اٹھالی اور ٹھائیں سے اس کے گھٹنے پر دے ماری۔

چل جھوٹا کہیں کا۔ آج تک میں نے کسی میں عیب نہیں نکالے۔ خدا نہ کرے مجھے

کیوں بچیاں عیب دار نظر آنے لگیں۔" انہیں اپنے اوپر یہ الزام ذرا نہ بھایا تھا۔

"مجھے تو ساری بچیاں ہی اچھی لگتی ہیں بس یہ مانے تب نا۔" ان کی

آ کر ٹوٹی۔

خدا خیر کرے۔ ساری 'زور' کس پر ہوا ساری پر۔ واہ عمر پھر تو عیش ہو گئے

نہیں "ساری" مل رہی ہیں۔ میری مانو تو ایسا گولڈن چانس مس مت کرو فوراً سے پیشتر ہاں کر دو۔"

فہد نے پھر اماں جان کو چڑایا وہ اسے گرم نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر ایک گہری سانس بھر کر بولیں۔

"تجھے بھی نکیل لگے گی تب ہی سدھرے گا۔ ثمن تو کل ہی ثمرہ کے یہاں جا کر عینیہ کو انگوٹھی پہنائے جانے پر کمر بستہ ہے۔ بس میں نے ہی روک رکھا ہے۔" وہ اب فہد سے مخاطب تھیں۔

"ثمرہ آئی تھی کل اور اپنی رضامندی دے گئی ہے۔ تیمور اور میرا یہی خیال ہے کہ تمہارا نکاح کر دیا جائے۔ پھر ہی باہر بھیجا جائے الگ جان کو آ گئے ہو تم ہم سب کی اب اسی شرط پر بھیج سکتے ہیں تمہیں۔"

"کیا... آ... ؟" فہد گویا دو فٹ اچھلا تھا کرسی سے پھر بجائے کرسی پر بیٹھنے کے اماں کے تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا کیا..... کیا کیا پاپا نے باہر جانے کی اجازت دے دی آخاہ..... اوہو۔"

وہ بیٹھے بیٹھے اچھلنے لگا اور اماں سے لپٹ گیا۔

"آپ کتنی سویٹ ہیں دادو۔ کتنی لونگ ہیں۔" وہ چٹ پٹ ان کا منہ چومنے لگا تو انہوں نے اسے پرے دھکیلا۔ اچانک وہ چونک کر بولا۔

"مگر دادی جان! یہ..... یہ منگنی اور نکاح کا کیا ذکر یہاں۔ وہ بھی اس احمق بانگڑو سے۔ یا اللہ یہ میری سماعت پر دھوکا تو نہیں ہوا۔ ذرا دوبارا کہیے کچھ ایسی بات کہی کہ میں ہی غلط سمجھا۔"

"باز آ جا فہد اپنی شرارتوں اور غیر سنجیدگی سے۔ ٹھیک سنا ہے تمہارے کانوں نے۔ نکاح ہو گا تمہارا عینیہ سے۔ پھر ہی تمہیں جانے کی اجازت دی جائے گی۔"

"کیوں یہ دم چھلا لگا کر آپ لوگوں کو کیا میری شرافت کا سرٹیفیکیٹ مل جائے گا۔ میرا کنوارہ پن آپ کو اس قدر بے اعتبار محسوس ہوتا ہے۔" وہ کسی کم سن ناراض بچے کی طرح منہ پھلا کر اماں کو دیکھنے لگا تو وہ ہنس پڑیں۔

پھر وہ مصنوعی ناراضگی ایک طرف ڈال کر بولا۔

"واقعی پاپا نے باہر جانے کی پرمیشن دے دی ہے ناں۔" اس کا لہجہ اب بھی کچھ کچھ بے یقین سا تھا۔ اماں جان سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"ہاں مگر اسی شرط پر۔"

"ارے مان لیں گے مان لیں گے۔ ساری شرطیں مان لیں گے بس ایک بار باہر جانے تو دیں۔" وہ ایک بار پھر اسی خوشی سے دو چار ہو گیا۔ تخت سے اٹھتے ہوئے ذرا سا جھک کر پھر اماں کو چھیڑنے سے باز نہ آیا۔

"پھر بھی ذرا ابی سے کنفرم تو کر لوں۔ آپ کا کیا بھروسا یونہی بہلانے کو کہہ دیا ہو۔" اور اماں جان کا ہاتھ چپل کی طرف اٹھتا دیکھ کر جھپاک سے کمرے سے نکل بھاگا۔

"لو دیکھو ذرا اب میں اس عمر میں جھوٹ بولوں گی۔" انہوں نے رخ عمر کی طرف کیا جو تخت سے اتر کر پیروں میں چپلیں پھنسا رہا تھا۔

"تم کہاں چل دیے ابھی تو تم سے نمٹنا باقی ہے۔ ارے تم دونوں بھائیوں کی جگہ

وہ بیٹیاں ہوتیں تو کبھی کی پکڑ کر بیاہ دی ہوتیں۔ مجال ہے جو اتنا سر چڑھایا ہوتا۔
سے کہہ رہی ہوں۔ تم کدھر بھاگ رہے ہو۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے ذرا سا رکا مگر پلٹا نہیں۔

''کان کھول کر سن لو۔ تم نے اپنی سی کر لی بہت اب ہمیں اپنی سی کرنے دو
کے لہجے میں تنبیہہ تھی وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا اور پلٹے بغیر ہی بولا۔

''ابھی میں نے اپنی سی کہاں کی ہے۔'' پھر وہ رکا نہیں اور اعصاب شکن اس
کے ساتھ کمرے سے باہر آ کر کی بورڈ سے گاڑی کی چابی لی اور پورٹیکو کی طرف نکل گیا۔

دل جنگل دل صحرا لوگو
دل جنگل دل صحرا
اڑتی پھرتی ریت کا دریا
سرد ہوا کا شور
کہیں کہیں کوئی دیپ سلگتا
گھور اندھیرا گھور
کبھی کبھی کوئی بھٹکا بادل
دھوپ رتوں کا زور
ڈالی ڈالی پھٹی چٹکیں
گنجل ہوئی ڈور
دل پاگل دل ضدی بچہ
دل جنگل دل صحرا لوگو

دل جنگل دل صحرا لوگو

وہ واپس لوٹا تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اماں جان کے کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی البتہ لاؤنج کی بتی روشن تھی مگر وہ بے نیاز اپنے کمرے کی طرف بڑھا کہ ثمین لاؤنج سے باہر آئی۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ احترام بھی لازمی تھا۔ وہ سامنے ہی آ کر کھڑی تھی۔

اس نے سرسری انداز میں سلام کیا تو وہ سر کو جنبش دے کر جواب دیتے ہوئے بولیں۔

''کبھی ہمارے درمیان بھی رہو تو تمہیں کوئی خبر بھی سنائے۔''

وہ سر سے پیر تک جائزہ لیتیں نظریں ڈال کر روکھے لہجے میں بولیں۔

یہ لہجہ اس کے لئے کوئی نیا نہیں تھا۔ وہ مبہم سے انداز میں مسکرا دیا۔

''جو خبر آپ سنانا چاہتی ہیں اس سے میں پہلے ہی باخبر ہوں۔'' وہ قطعی اطمینان سے کہتا ان کے دائیں طرف سے ہو کر آگے بڑھ گیا پھر اپنے کمرے کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر پلٹا تو وہ بھی رخ موڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جلدی سے بولیں۔

''تو اتنا نہیں ہوا کہ مبارک بادی ہی دے دیتے بھائی ہو اس کے۔''

وہ اب بھی بغیر برا منائے اپنے چہرے کے زاویوں سے نارمل ہی رہا۔

ویسی مسکراہٹ ہنوز اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر محو رقص رہی۔

''اتنا کم ظرف ہرگز نہیں ہوں کہ کسی کی غلطیوں اور کسی کی نفرتوں کا بدلہ کسی اور سے لوں۔ دے دوں گا مبارک بھی مگر پہلے یہ کام اپنے تکمیل تک تو پہنچے۔ کوئی باقاعدہ رسم تو ہو۔ فہد کو سب سے پہلے گلے لگا کر پیار کرنے والا میں ہی ہوں گا۔''

یہ کہہ کر ان کی طرف سے کسی قسم کے جواب کا انتظار کیے بنا کمرے میں جا کر شائستگی سے دروازہ بند کر گیا۔

اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ مفقود ہو چکی تھی اور ہونٹ سختی سے باہم بھینچ گئے

تھے۔ بدن پر پڑی شرٹ اتار کر ایک طرف پھینکی اے سی آن کیا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔

وہ اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے دو دن بعد "تیمور ولا" آ گئی تھی اس روز ڈائری میں لکھنے کی حماقت کرنے کے بعد وہ حوصلہ ہی نہ کر پائی تھی اس کا سامنا کرنے کا۔ مگر اب دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پھر ادھر آ گئی مگر آئی بھی صبح کے وقت۔ اس کا خیال تھا بلکہ اسے پورا یقین تھا کہ وہ تیمور انکل کے ساتھ آفس کے لئے نکل گیا ہوگا۔ مگر اس کا سانس سینے میں دب کر رہ گیا جب وہ لان میں ہی کھڑا مالی سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔

اس نے چاہا کترا کر گزر جائے مگر وہ اسے دیکھ چکا تھا اور مالی کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اسی طرف چلا آیا۔ وہ وہیں ناریل کے تنے کے ساتھ گویا چپک سی گئی۔ سائیڈ پر چنبیلی کی باڑھ کی شاخیں لہرا رہی تھیں وہ ادھر ہی آ کر رکا تھا۔

"ک۔ کیسے ہیں آپ" وہ نظریں جھکا گئی۔

جیسا دکھائی دیتا ہوں۔ خود دیکھ لو کیسا نظر آ رہا ہوں۔" اس کا انداز پر شگفتہ سا تھا۔ عینیہ کو اپنی ہتھیلیاں ٹھنڈی پڑتی محسوس ہوئیں۔ ذرا سا چہرہ اٹھایا مگر پلکیں اٹھا نہ سکی۔

"آؤ۔ ادھر بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا تو اس نے یک بیک پلکیں اوپر اٹھائیں پھر قدرے سٹپٹا کر بولی۔

"آ۔ آپ پلیز۔ وہ ڈائری کا ذکر کسی سے بھی مت کیجئے گا۔"

وہ کین کی خوش نما کرسیوں کی طرف بڑھ رہا تھا' ٹھٹھک کر رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک دو لمحے دیکھتا رہا پھر بھاری مگر دھیمی آواز میں بولا۔

"بس۔ اتنی ہی ہمت تھی۔ محبت تو بے خوف اور نڈر بناتی ہے۔ خوف تو محبت کی

صداقت کو مشکوک بناتا ہے۔ جسے چاہا جائے اسے تو کم از کم بے خوف ہو کر یقین دلایا جائے۔"

وہ سن سی ہوئی تھی۔ اسے اپنے اعصاب پر ایک ارتعاش طاری ہوتا محسوس ہوا۔ وہ اس کے بے حد قریب آ کھڑا ہوا تھا اتنا کہ اسکی آنچ وہ اپنے دل پر محسوس کرنے لگی۔ اسے اپنا دل سینے کی دیوار سے کسی دیوانے کی طرح ٹکراتا محسوس ہونے لگا۔ مگر وہ اس کے دل کی دنیا سے بے خبر۔ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بے حد نرمی سے رکھ کر ہلکا دباؤ ڈال رہا تھا۔ یوں جیسے بادِ صبا کسی بہار میں کھلنے والے شگوفے کو ہولے سے چھو دے۔

وہ کتنی دیر اپنی جگہ کھڑی اپنے دل کی دھڑکنوں کے شور کو سنتی رہی۔ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ وہ جا چکا ہے۔ چونکی تو وہاں اب وہ تنہا تھی بس اس کی آواز کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔

اس کے وجود سے اٹھنے والی مہک کا احساس باقی تھا۔ اس نے بے اختیار ایک گہری سانس بھری اور اپنے ہاتھ کو دیکھا جہاں اب بھی ہلکا سا ارتعاش طاری تھا۔ اسے لگا جیسے کوئی طوفان اسے چھوتا گزر گیا ہو۔ مگر حیرت کی بات تو یہ تھی کہ طوفان گزرنے کے بعد تباہیاں نہیں آئی تھیں بلکہ ایسا لگ رہا تھا دل کے شگوفے اور نکھر گئے ہوں جذبے ثمر بار ہو کر لہلہانے لگے ہوں۔

محبت اپنی تندہی کے ساتھ رواں ہو گئی ہو۔

اس نے اس کار کو پورٹیکو سے نکلتے دیکھا پھر وہیں چنبیلی کی باڑھ سے لگ کر کھڑی ہو کر آنکھیں موند لیں۔

اسے کہو کہ بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

وہ اندر جانے کی بجائے پیچھے سے باہر نکل آئی اور گھر کی طرف چل دی۔

ثمن سفائی اور عینیہ کیلئے وہ جوڑے اور دوسری چھوٹی موٹی چیزیں آ کر رکھ [illegible] تھی اور جمعہ کو باقاعدہ رسم کرنے کا بھی کہہ گئی تھیں۔ ثمرہ نے یہ ساری چیزیں اسے دکھا [illegible] تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔ ان کے اعصاب پر زبردست پتھر پڑا تھا۔

"ک۔ کیسی رسم۔ کیا مطلب؟"

"کس بات کا مطلب۔" ثمرہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ اس کے رویے کی [illegible] حیرانگی اور چہرے پر پھیلنے والے اضطراب نے انہیں جیسے اندر ہی اندر خبردار کر دیا کہ وہ اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھی ذہنی طور پر۔

"امی! پلیز یہ مذاق چھوڑیں میں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے جمعہ کو تمہاری منگنی ہے فہد کے ساتھ اور اسی مہینے کے آخر میں باقاعدہ نکاح بھی ہو جائے گا۔ فہد باہر جانا چاہ رہا ہے اس لئے یہ سب وقت سے پہلے کرنا پڑ رہا ہے اور یوں بھی میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ میں اس فرض سے جتنی جلدی ہو سکے سبکدوش ہو جاؤں۔ آج نہیں تو کل ہونا تو ہے ہی۔ پھر نیک کام میں دیر کیوں کریں۔ دیکھو یہ جوڑا کس قدر پیارا ہے۔ تمہیں گولڈن براؤن رنگ پسند ہے نا' ثمرہ ڈبے سے کامدانی کا جوڑا نکال کر اسے دکھانے لگی۔ اور وہ پتھر کی طرح ساکت اپنے بھاری ہوتے وجود کے ساتھ جیسے دھیرے دھیرے ڈھے رہی تھی۔ اگر کرسی کا سہارا نہ لیا ہوتا تو ضرور لڑکھڑا جاتی۔

"ثمن نے کہا بھی تھا کہ عینیہ کو لے جاؤں گی اس کی پسند سے کپڑے لوں گی مگر میں نے منع کر دیا۔ تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ ہاں نکاح کا جوڑا تمہاری اپنی پسند کا ہی ہو گا۔"

"امی پلیز! چپ ہو جائیے۔ چپ ہو جائیے۔" وہ اچانک جذباتی انداز میں حلق پھاڑ کر

چیخی۔ پھر وہیں ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو پڑی۔

"عینیہ... عینیہ یہ کیا پاگل پن ہے۔" ثمرہ کا دل لمحے بھر حیرت اور دکھ سے کٹا۔ مگر دوسرے پل وہ لہجے میں کرختگی سمو کر اس کا سر اونچا کرنے لگی مگر اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں فہد سے شادی نہیں کروں گی مما۔ ہرگز نہیں آپ لوگ مجھے بتائے بغیر میری زندگی کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ نو نیور۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ پر رکھی چیزیں ادھر ادھر بکھیر دیں۔ چپل کا ڈبہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

"یہ سب... یہ سب میری خوشی کیخلاف ہے۔ میں۔ میں فہد سے شادی۔"

اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ ثمرہ کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے چہرے پر پڑا تھا۔ اور چند لمحے کے لئے دونوں ہی ساکت ہو گئیں۔ وہ دکھ اور گہرے صدمے سے ماں کا چہرہ تکنے لگی جبکہ ثمرہ اذیت اور ندامت کے احساس کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔ پھر ایک گہری سانس بھر کر بیڈ سے اترتے ہوئے بولیں۔

"میری محبت کا یہ صلہ دو گی تم۔ ایک ماں سے گستاخی کرو گی۔ یہ سب تو ہم نے تمہاری خوشی کے لئے کیا ہے۔ ثمن تمہیں اپنی بیٹی کی طرح چاہتی ہے۔ تم یہ صلہ دو گی اسے۔"

"مجھے کب ان کی محبت سے انکار ہے۔ مگر فہد ہی کیوں عمر بھی تو ان ہی کا بیٹا ہے۔"

"عینیہ" ثمرہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

وہ جس خوف کی آہٹیں کب سے محسوس کر رہی تھیں وہ آخر کار ان کے دروازے کے اندر قدم رکھ چکا تھا۔ وہ یقین بن کر آج سفاک حقیقت کی طرح سامنے تھا۔ وہ ان کے

[illegible]

"[illegible] تو پھر کسی سے بھی میری شادی نہیں ہوگی۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ گئی تھی اور شمرہ کی [illegible]

[illegible]

"تم میری بیٹی کے بالکل بھی قابل نہیں ہو۔"

وہ غصے سے اٹھیں اور [illegible]

[illegible] اور کار کی طرف بڑھ گئے۔

[illegible]

اماں جان میرب کی طرف سے ہونے والے انکار پر گنگ رہ گئیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور شمرہ سر تھام کر رہ گئی۔

[illegible]

"آپ جانتی ہیں اماں۔ [illegible] نہیں ہو سکتا۔ [illegible]"

تب بھی میں مر کے ایک بھی نہ بچا تی۔"

جواباً اماں اسے دل گرفتہ سی نگاہوں سے دیکھنے لگیں ان کے اندر ایک گہرا دکھ گیا۔ انہوں نے کچھ بولنا چاہا تو ثمرہ نے تلخی سے ان کو روک دیا۔

"برائے مہربانی۔ مجھے کسی قسم کی نصیحت مت کیجئے گا۔ نہیں سننا مجھے کچھ بھی کوئی نصیحت واعظ" وہ عینیہ پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر اپنے کمرے میں جا کر دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔

عینیہ نے اماں جان کی طرف دیکھا پھر اور بے چارگی آمیز کرب سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"امی اتنی سنگدل تو کبھی نہیں تھیں نانو۔" وہ ہولے سے سسک پڑی۔

"انہوں نے آج تک مجھے کبھی نہیں ڈانٹا میری ہر ضد پوری کی ہے۔ بلکہ میری طلب سے پہلے میری خواہش کو پورا کیا ہے۔ مگر اب۔ اب وہ اس معاملے میں اتنی سنگ دل اور ظالم کیوں بن رہی ہیں۔"

"تو آج تو ہی اس کی بات مان لے۔ اس کی خواہش پوری کر دے بچی۔" اماں جان نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اذیت سے اور رونے لگی۔

"نہیں نانو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں خود کو اور فہد کو عمر بھر دھوکے میں نہیں رکھ سکتی۔ کیا آپ بھی چاہیں گی کہ میں ساری عمر کڑھتی رہوں۔ فہد کی پرخلوص، بے غرض، بے لوث محبت کے جواب میں اسے جھوٹی محبت دوں۔ کھوکھلی اور بے روح محبت دوں۔"

اماں جان اس کا چہرہ تکتی رہ گئیں۔ تب وہ ان کی گود میں سر ڈال کر دھیرے سے بولی۔

"نانو! امی سے کہیے وہ مجھ سے میری زندگی کی ہر خوشی چھین لیں۔ مگر مجھے صرف

اور صرف فہد دے دیں۔"

وہ یوں بولی جیسے کوئی بچہ اپنے من پسند کھلونے کیلئے مچل رہا ہو۔ اسے طلب کر رہا ہو۔

"پاگل اتنا چاہتی ہے اسے۔" ان کا ہاتھ اس کے سر کے ریشمی بالوں میں اٹک گیا۔

وہ سر ہلانے لگی۔

"ایسا کیا ہے اس میں" وہ دھیرے سے بولیں۔ ان کی آواز دھیمی تھی۔ جیسے کہیں بہت دور سے آ رہی ہو۔ اور نگاہیں کہیں خلاء میں مرکوز ہو گئیں۔

"پتا نہیں یہ سوال تو میں نے خود سے کئی بار کیا ہے نانو۔ اور جواب پتا ہے کیا آتا ہے۔"

"کیا؟" اماں جان نے بے اختیار اس کے اٹھے ہوئے سر کی طرف دیکھا۔ تو وہ روئی روئی آنکھوں اور دل کی افسردگی کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ان میں کوئی ایسا سحر ہے جو مجھے، میرے دل کو، اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کوئی مقناطیسی کشش ہے جو مجھے لوہا بنا کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے میں نہیں جانتی۔ یہ کب اور کیسے ہو گیا۔"

اماں جان کے سینے میں سانس، یوں خارج ہو گئی جیسے یہ سانس انہوں نے کب سے روکے رکھی ہو۔ اور بڑی مشکل سے رکاوٹیں توڑ کر باہر نکلی ہو۔

"ہاں! بالکل اپنی ماں کی طرح اس میں بھی ایسا کوئی سحر ہے جو جکڑ لیتا ہے مقابل کو۔"

"نانو" وہ ان کا کندھا ہلانے لگی تو وہ چونکی، پھر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے

پیالے میں لیے ہوئے بولیں۔

''چلو اٹھو۔ نماز پڑھو۔ خدا بہتر کرے گا۔''

''ثمرہ اپنی ضد پر قائم تھیں اور وہ اپنی بھوک ہڑتال پر مگر دو دن کی بھوک ہڑتال نے ہی اسے اتنا نڈھال کر دیا تھا کہ وہ بستر سے لگ گئی تھی۔ اس میں اٹھنے کی سکت نہ رہی مگر اس کے باوجود وہ ایک نوالہ کھانے کو تیار نہ تھی۔

تیمور ولا۔ میں سب کے کانوں میں یہ خبر پہنچ چکی تھی ثمن کو خود ثمرہ نے فون پر روتے ہوئے اطلاع دی تھی اور وہ دل پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے ذہن کے پردوں پر سارے منظر فلم کی طرف چلنے لگے۔ جب عینیہ تیمور ولا میں آ کر عمر کے کمرے کی طرف دوڑ لگاتی۔ وہ لان میں ہوتا تو وہ لان میں نظر آتی۔ ہر خبر پہلے اسے سنانے بھاگتی۔ گھنٹوں اس کے کمرے میں گزار دیتی۔

پتا نہیں اس وقت انہوں نے غور کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ فون سننے کے بعد وہیں لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ بالکل چپ، گم صم۔

جیسے اب نہ کچھ کہنے کو رہا ہو نا سننے کو۔

انہیں لگا جیسے عمر نے نہیں ''شہلا'' نے اسے ایک بار پھر شکست دے دی ہو۔

ان کا رواں رواں جلنے لگا۔ اضطراب کی لہریں اندر سے اٹھ کر اندر ہی دم توڑنے لگیں۔ فہد کے مقابلے میں عمر کتنا عام سا تھا۔

''خدا جانے یہ عام سے لوگ دلوں پر کس طرح حکومت کر لیتے ہیں انہیں ایسا کون سا ہنر آتا ہے دل موہ لینے کا۔''

وہ اٹھیں اور لاؤنج کی دیوار پر لگے خوبصورت گولڈن فریم میں جڑے آئینے میں

اپنا چہرہ دیکھنے لگیں۔

گوری رنگت، تیکھے نین نقش اور گرد بکھری ریشمی بالوں کی تھیں۔ وہ آج بھی اتنی خوبصورت تھیں۔

یکدم آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کے ساتھ دوسرا عکس ابھر آیا۔

بے حد عام سا مگر دھیمی مسکراہٹ سے سجا۔ یہ مسکراہٹ سراسر فاتحانہ سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں میچ لیں اور رخ موڑ لیا۔

دلوں کی جگمگاتی بستیاں تاراج کرتے ہیں
یہی جو لوگ لگتے ہیں نہایت عام سے پہلے

اس کے اندر سے ایک ہوک اٹھی، اسے یاد تھا وہ اس شعر پر ایک روز کتنا ہنسی تھیں جب ثمرہ نے سنایا تھا اور ہنستے ہوئے اس نے وہ تصویر اٹھالی جو ثمرہ اسے دکھانے لائی تھی۔

''یہ..... یہ چہرے دلوں کی بستیاں تاراج کر سکتے ہیں۔ ایسے چہرے واٹ آ جوک وہ پھر کھلکھلائی۔

''تیمور۔ اس لڑکی سے شادی کرے گا۔ ہا۔ اس۔ اس لڑکی سے۔ بھلا دیکھو اس میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے نہ رنگ نہ روپ، اف۔ کیوں مذاق کر رہی ہو ثمرہ۔ اب تمہارے حسین خوبرو بھائی کا ٹیسٹ اتنا بوگس بھی نہیں ہو سکتا، کہ اس شکل کو مجھ پر فوقیت دے۔'' وہ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا۔ اتنا پانی کہ سارے الفاظ بہہ گئے۔ پھر کچھ نہ رہا تھا کہنے کو۔

ممی۔ فہد کی آواز عقب سے ابھری تو وہ گہری سانس بھر کر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پلٹیں۔

''ممی۔'' آپ ہی ثمرہ پھوپو کو سمجھائیے نا، بے کار کی ضد لے کر بیٹھی ہیں عینیہ کی

حالت دیکھی ہے آپ نے" وہ تاسف اور الجھے انداز میں ثمن کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بچپن کے رشتوں ناطوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ممی۔ کیوں اس بیچاری کو پریشان کر رہے ہیں آپ لوگ۔ جب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور جبکہ عینیہ اپنی پسند بھی بتا چکی ہے تو عینیہ اسے اس کا جائز حق ضرور ملنا چاہئے۔ یقین کریں ممی۔ میں بالکل بھی ان ایزی فیل نہیں کر رہا۔ بلکہ بے حد خوش ہوں۔ ویسے مزے کی بات ہے" وہ گھوم کر ٹیبل پہ سجے شوپیس پر انگلیاں مارتے ہوئے شرارتی انداز میں ابرو کو جنبش دے کر مسکرایا۔ "عینیہ اور عمر کی جوڑی لگے گی شاندار اور دادو کی بھی دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ عمر کو کھونٹے سے باندھنے کی۔" وہ زور سے ہنس پڑا۔

"بول چکے تم۔" ثمن جو کب سے غصہ ضبط کر رہی تھی آخرکار چیخ پڑی۔

فہد نے ذرا سا چونک کر ان کا تپا تپا چہرہ دیکھا۔ کچھ کہنے کو لب کھولے کہ وہ پھنکارتے ہوئی بولیں۔

"ابھی تم سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا ہے تم اپنے کام سے کام رکھو' یہ فیصلے بڑوں کے کرنے کے ہیں' کیا بہتر ہے اور کیا نہیں' ہم زیادہ سمجھتے ہیں۔" وہ اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر لاؤنج سے نکل گئیں۔

"مما پلیز بات تو سنیں' بے شک فیصلے بڑوں کے کرنے کے ہیں مگر جن کی زندگی کے بارے میں ہو رہے ہیں ان سے تو کم از کم پوچھ لیں۔ شادی کوئی کھیل تو نہیں ہے مما" وہ ان کے پیچھے بھاگا۔

"چپ ہو جاؤ فہد۔ خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔" وہ زور سے چلائیں انہیں لگ رہا تھا کنپٹیوں پر رگوں کی بجائے لوہے کی سخت تاروں کا جال بچھ گیا ہو۔ وہ اپنے بیڈروم میں گئیں اور دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا۔

گھر میں عجیب سا ماحول ہو گیا تھا۔ یوں لگتا ہر کوئی دوسرے سے کھنچا کھنچا ہے۔ فہد بھی اس دن کی ڈانٹ کے بعد اس معاملے سے لاتعلق بن کر بیٹھ گیا تھا۔ عمر کی گہری خاموشی اپنی جگہ تھی۔ تاہم وہ معمول کے مطابق سب میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اس دن تیمور ثمرہ کے پاس آئے تھے۔ عینیہ کی خیریت دریافت کرنے اور اسے

دیکھ کر انہیں ذہنی جھٹکا لگا تھا۔

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اس نے؟" وہ فریج سے کولڈ ڈرنک نکال رہی تھیں۔

"یہ تو آپ اسی سے پوچھیے۔"

"کیوں؟ اس سے کیوں تم سے ہی کیوں نہ پوچھوں؟ اسے اس حال میں پہنچانے کی ذمے دار تم ہو۔"

"کیا... میں؟" وہ کولڈ ڈرنک کی بوتل ڈائننگ ٹیبل پر پٹخ کر حیرت اور دکھ سے بولی۔ "خدا اس نے پکڑ رکھی ہے' موردِ الزام مجھے ٹھہرا رہے ہیں آپ۔"

تیمور کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ انہوں نے اس کی پٹخی ہوئی بوتل کو ایک طرف رکھ دیا اور ٹہلنے لگے۔

"بجائے اسے سمجھانے کے آپ مجھے بلیم کر رہے ہیں۔"

"تو کیا خرابی ہے عمر میں کہ تم اسے رد کر رہی ہو۔" انہوں نے رک کر بڑی تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا' لحظہ بھر وہ چپ ہو کر سر جھکا گئیں۔ مگر وہ ہنوز اسے ایسی ہی تیکھی اور گرم نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ ان پڑھ ہے' جاہل ہے' بے روزگار ہے' بگڑا ہوا اوباش ہے۔ معذور ہے' بدکردار ہے' بتاؤ کیا خرابی ہے اس میں؟"

"تیمور۔"

"چپ ہو جاؤ.... کچھ نہیں سننا چاہتا میں۔ تمہاری لنگڑی لولی دلیل۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"کیسی ماں ہو تم۔ بیٹی بستر سے لگ گئی ہے اور تم نفرت میں اندھی ہو بیٹھی ہو۔ تمہارے اور ثمن کے سینوں میں بھری کدورتوں سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تم دونوں کو نفرت کے جذبے نے بے اوسان کر دیا ہے۔ ثمرہ تمہیں۔ تمہیں اپنا خون اپنا سگا بھتیجا نظر نہیں آتا۔ صرف اس کی ماں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ اپنی بیٹی نظر نہیں آتی' اس کی خوشیاں دکھائی نہیں دیتیں ماضی کی اس بے قصور عورت سے نفرت نے تمہیں اندھا کر دیا ہے۔ خود غرض بنا ڈالا ہے' بے حس ظالم بنا دیا ہے مگر سن لو آج اور یاد رکھو۔ اگر عینیہ کی شادی

عمر سے نہیں ہو سکتی تو پھر فہد سے بھی نہیں۔ اگر بیٹی بہو بن کر آئے گی میرے گھر میں تو صرف اور صرف عمر کی بیوی کی حیثیت سے اور کسی حیثیت سے نہیں۔ یہ فیصلہ میں عینیہ کی حالت کے پیش نظر اور عمر کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی تلافی کے پیش نظر بھی کر رہا ہوں۔ آگے تمہاری مرضی' میری طرف سے اجازت ہے جہاں اور جس کے ساتھ چاہو اپنی بیٹی بیاہ دو۔''

وہ اپنا آخری فیصلہ بے لچک لہجے میں سنا کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

''تیمو..... تیمور بھائی۔ بات تو سنیے۔'' ثمرہ دوڑ کر ان کے پیچھے گئی تھی۔

وہ رک تو گئے مگر پلٹے نہیں۔ آنکھوں کی تہوں میں غصہ اُمڈ رہا تھا۔ پیشانی پر لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔

ثمرہ کی ساری ہمتیں جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ وہ تیمور کی ضد سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ فیصلہ کر کے بدلتے نہیں تھے۔

اور اب عمر سے عینیہ کی شادی نہ کرنے کا مطلب ہوتا ہمیشہ کے لئے اس گھر سے تعلق ٹوٹ جانا۔

ان کے دل پر پتھر آ پڑا۔ وہ بھائی کے پتھریلے چہرے پر نگاہ ڈال کر پھر چہرہ جھکا کر تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔

''آپ عمر سے پوچھ لیجئے گا۔ مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔''

تیمور جھٹکے سے پلٹے تھے۔ پہلے تو بہن کو غور سے دیکھتے رہے پھر گہری سانس بھر کر ایک ہنکارا بھر کر سر ہلانے لگے۔ ان کی چہرے کے تنے زاویوں کی طنابیں یکدم ڈھیلی پڑ گئیں۔

''مجھے تمہارے فیصلے سے خوشی ہوئی ہے۔ میں جلد عمر سے بات کرتا ہوں۔'' پھر

اپنائیت بھری نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے'' عینیہ میری بہو نہیں بیٹی بن کر آئے گی۔ وہ عمر کی بیوی بن کر جتنی خوش رہے گی اتنی فہد کی نہیں۔ اس کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ تم سچائی کی آنکھ سے دیکھو گی تو خود میری بات کی تائید کرو گی۔''

وہ چلے گئے۔ ثمرہ کسی شکست خوردہ سپاہی کی طرح وہیں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ادھر کھڑکی سے لگی عینیہ کو اپنے پیروں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔

تیمور کی آواز خوشبو بن کر اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

اسے ماں کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کی آواز بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ عمر کے لئے رضامندی دے رہی تھیں۔ اس نے تیمور کو خوشی سے پلٹتے ہوئے دیکھا۔ پھر ثمرہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اور اسے لگا جیسے اس کے اندر کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔ اس کی بکھری توانائیاں یکدم سمٹ آئی ہوں..... تمام تر کمزوری زائل ہو گئی ہو اور وہ پھر سے چاک و چوبند ہو گئی ہو۔

خوشی کا احساس مقوی کھانوں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہوتا ہے اسے آج پتا چلا۔

محبوب سے ملن کا خیال۔ آئرن کی ٹیبلٹ سے کہیں زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے۔ اسے آج محسوس ہوا۔

وہ آج تین دن کی بھوک ہڑتال کے بعد رات کا کھانا پاپا کے ساتھ مل کر کھا رہی تھی۔ پاپا کی مسرت آمیز حیرانگی پر ثمرہ نے انہیں مختصراً بتایا تھا اور بتاتے ہوئے ان کا چہرہ بڑا بے رونق سا تھا۔ ان کے چہرے کے زاویوں میں خوشی کی رمق تھی نہ ناگواریت کا رنگ۔

سپاٹ بے تاثر چہرہ تھا۔

مگر عینیہ اپنی خوشی میں مگن ماں کا چہرہ کہاں دیکھ رہی تھی۔

رات کھانے کے بعد اس نے ایمن کو فون کر کے یہ خوش خبری سنائی تو ایمن نے

بھی خوشی کا اظہار کیا پھر اسے چھیڑنے کی غرض سے بولی۔

''آ ئی بتا رہی تھیں تم بستر مرگ پر فاقہ کشی سے چور چور ہو اور ادھر میں تو اب انتظار کر رہی تھی کہ تم اپنے انتقال پر ملال کی خبر سناؤ گی۔''

اس نے ریسیور کو گھورا جیسے وہ ایمن علوی ہو۔ پھر مصنوعی خفگی سے بولی۔

''اور تم نے یقیناً سوئم کے لئے لباس بھی تیار کروا لیا ہوگا۔ ہے نا۔''

''آف کورس... نہ صرف سوئم کے لئے بلکہ چہلم کے لئے بھی سوچ رہی تھی ابھی وغیرہ بنوا لوں۔ آخر تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوں۔''

''بے ہودہ... بے مروت اور طوطا چشم لڑکی۔ افسوس کہ تمہاری یہ دلی آرزو پوری نہ ہو سکی مگر افسوس مت کرو یہ لہنگا تم میری منگنی والے دن پہن لینا۔''

اور جواباً ایمن کا چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ ریسیور میں گونج اٹھا۔

''ویسے چالاک لڑکی۔ کہیں یہ ڈراما اس لئے تو نہیں رچا رہی تھیں کہ۔''

اپنے مر جانے کی افواہیں اڑا کر

اس کو اپنے گھر بلانا چاہتے تھے

اور جواباً عینیہ نے ایک سرد قسم کی آہ کھینچی۔

''ارے کہاں ایسی قسمت....''

''بڑا ہی تیز اڑ رہی ہو۔ ویسے عینیہ۔ یہ دیوانگی اچھی چیز نہیں ہے۔'' وہ یکدم سنجیدگی کی لپیٹ میں آتے ہوئے ناصحانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''مجھے کبھی کبھی بڑا ہی خوف آتا ہے تیری اس دیوانگی سے۔''

''ارے۔ تمہیں کیوں خوف آتا ہے بھلا؟'' وہ زور سے ہنس پڑی۔

''اس لئے کہ محبت یوں نہیں اچھی۔ اسے جنوں نہیں بناتے عینیہ۔ یہ جنوں بھول جاؤ۔''

''مس ایمن علوی۔ جسے واپس پلٹنا ہی نہ ہو وہ کیونکر واپسی کا راستہ یاد رکھے گا۔''

وہ دھیرے سے بولی تھی پھر۔ یکدم جیسے ماحول کی سنجیدگی کو کاٹنے کی غرض سے بولی۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح

کوئی چارہ ساز ہوتا ' کوئی غم گسار ہوتا

ایمن بی بی خدارا تم یہ ناصح کا رول پلے مت کرو۔''

وہ نیم مزاحیہ انداز میں ملتجی ہو کر بولی تھی۔

پھر وہ دونوں کتنی دیر اوٹ پٹانگ باتوں میں ہنستی رہیں۔ وہ یکدم ہی ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔ ہنسی خود بخود لبوں سے آزاد ہو کر فضا میں ساز کی طرح بکھر جاتی۔

ثمر اس کے کمرے کے باہر گزرتے ہوئے ٹھٹک کر رکی تھیں۔ اس کی ہنسی کی جھنکاریں اس کے دل پر یک نا سودہ سا احساس رقم کر رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر کھڑی اس کی ہنسی کی یہ مدھر جھنکاریں سنتی رہیں پھر لبوں کو دانتوں میں دبا کر بوجھل بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف ہو لیں۔

رات بھر وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہیں۔

کبھی بیٹی کی ہنسی کانوں میں بجنے لگتی۔ کبھی ثمر کا سراپا لہرا جاتا۔

کبھی ثمن کی شکوہ کناں نگاہیں تو کبھی تیمور کا غصہ یاد آنے لگتا۔

صبح بھی بے چینی ختم نہ ہوئی تو وہ تیمور ولا چلی آئیں۔

ثمن اماں جان کے کمرے سے نکل رہی تھیں۔

ثمرہ کو دیکھ کر اس کی نظروں میں خود بخود شکوے مچل اٹھے ....اور ثمرہ کچھ جھینپ کر اس کی نظروں سے نگاہیں کترا کر اماں جان کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔

کر اس کی نظروں سے نگاہیں کترا کر اماں جان کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔

پتا نہیں تیمور نے گھر والوں کو کچھ بتایا بھی تھا یا نہیں یا وہ پہلے عمر سے بات کرنا چاہتا تھا۔

مگر ثمن کی نگاہوں کا شکوہ تو کچھ اور ہی کہہ رہا تھا کہ اس کے علم میں آچکا ہے اور وہ سارا وقت ثمن سے نظریں ہی نہ ملا پا رہی تھیں۔ ثمن کی خاموشی بھی بڑی سرد قسم کی تھی۔ اس نے ملازمہ کے ہاتھوں اسے چائے بھجوا دی اور خود دوپہر کا کھانا بنانے میں مصروف ہو گئی مگر جب ثمرہ کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی تو وہ خود ہی ثمن کے پاس چلی آئی وہ اپنے بیڈ روم میں تھیں۔ تکیہ کا غلاف بدل رہی تھیں۔ ثمرہ کو دیکھا مگر اس کے بولنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔

''مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے ثمرہ! مجھے تیمور نے بتا دیا ہے کہ یہ خالص ان کا فیصلہ ہے۔''

ثمرہ ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر دیوار سے لگ کر ثمن کو دیکھنے لگی۔ جیسے بہت کچھ کہنا چاہ رہی ہو مگر کچھ بھی نہ کہہ پا رہی ہو۔ کوئی لفظ گرفت میں نہ آ رہا ہو۔

''مجھے تیمور اور عینیہ نے مل کر توڑ دیا ثمن۔ ورنہ میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔ تم شکوے کرنے میں حق بجانب ہو مگر... مگر خدارا میری مجبوری بھی سمجھو میں نے ماں ہو کر کس طرح تین دن تک سینے پر پتھر رکھا تھا ثمن.... عینیہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی... مگر میں نے صرف اور صرف اس لئے برداشت کیا کہ۔''

''میں نے کہا نا مجھے تم سے شکوہ نہیں ہے۔ ہاں بس تقدیر سے ہے۔''

اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔ ثمرہ نے چور سی نظریں اس پر ڈالیں پھر آنکھیں ایک

دولہے کے لئے موند کر کھولیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں کبھی ایسا چاہ سکتی ہوں۔''

وہ ثمن کو دیکھنے لگیں جبکہ ثمن کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے میلی چادر اور غلاف کا رول بنا کر ایک طرف پھینکا اور الماری سے دھلی ہوئی بیڈ شیٹ نکالتے ہوئے بولیں۔

''تمہارے نہ چاہنے یا چاہنے سے کبھی کچھ ہوا ہے۔ اس سے پہلے بھی.... چھبیس سال پہلے بھی جو ہوا۔ ایسا تم نہیں چاہتی تھیں مگر ہو گیا تھا۔''

ثمرہ کے دل پر زبردست چوٹ پڑی۔ اس کی پلکیں جھک گئیں۔ پھر وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں مسلنے لگی۔ وہی مانوس سی آگ بھڑکنے لگی۔ ساری رات اس نے اس آگ کو ٹھنڈا کرنے میں گزاری تھی۔

عینیہ کی ہنسی کی پھوار نے ان شعلوں کو بجھانے کی کوشش کی تھی۔ ثمن نے پھر ان شعلوں میں تیل چھڑک دیا تھا۔

وہ اضطراب اور دل پر بوجھ سمیٹے کمرے سے نکل گئیں۔ راہداری سے گزرتے ہوئے عمر کے کمرے کے پاس لمحہ بھر ٹھہریں پھر ہونٹ بھینچ کر لاؤنج میں چلی آئیں۔

رات کے کھانے پر تیمور اور عمر بھی موجود تھے۔ وہ اماں جان کے کمرے سے باہر آئیں تو میز پر انہی کا انتظار ہو رہا تھا۔ تیمور ثمرہ کو دیکھ کر خوش دلی سے بولے۔

''آؤ.... آؤ ثمرہ.... کیسی ہو؟ عینیہ نہیں آئی ساتھ۔''

اس نے سر کو نفی میں ہلا کر کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے یونہی نظر بھر کر عمر کو دیکھا۔ ہلکے گرے رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کا اونچا لمبا سراپا خاصا جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی شخصیت بڑی متاثر کن تھی۔

کوئی ایسی خوبی تھی اس میں جو اس کی شخصیت میں ایک سحر پیدا کر رہی تھی۔ اور یہی سحر نے عینیہ کو جکڑ لیا تھا

وہ آج شاید ایک بڑے عرصے بعد اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

پھر ایک گہری سانس بھر کر اپنی پلیٹ پر جھک گئیں اور چپ چاپ کھانے لگیں۔

''عمر، تمہیں عینیہ کیسی لگتی ہے؟'' کئی لمحے کی خاموشی کے بعد تیمور کی آواز ابھری تھی۔ وہ عمر سے مخاطب تھے۔ عمر نے حیرت سے سر اٹھایا تھا جبکہ ثمرہ کو اپنے حلق میں نوالہ پھنستا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور لبوں سے لگا لیا تھا۔

''بس ایک سوال ہے جو چاہو جواب دو۔'' تیمور یہ کہہ کر ہنس دیے۔ وہ بھی مسکرانے لگا۔ اور بولا ''اچھی خاصی ہے۔''

''اچھی خاصی نہیں بہت اچھی لڑکی ہے اور میں اس کا رشتہ تم سے کرنا چاہتا ہوں۔'' تیمور اس کی بات کے جواب میں بولے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے میز پر مکمل خاموشی چھا گئی۔ پھر حسن اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔ ثمرہ بھی بس اپنے نوالے سے ہی کھیل رہی تھیں۔

عمر نے البتہ بے حد اطمینان سے سر اٹھا کر باپ کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچانک آپ کو یہ خیال کیونکر آ گیا۔ جبکہ میں تو سن رہا تھا کہ اس کی کی شادی.....؟'' اس نے دانستہ جملہ پورا نہ کیا۔

''دیکھو عمر۔ شادی میرے نزدیک کوئی کھیل نہیں ہے۔ جب تک دونوں فریقین راضی نہ ہوں دل سے' وہ میرے نزدیک شادی نہیں' محض سمجھوتہ ہوتا ہے اور سمجھوتے میں خوشیاں نہیں ملتیں۔ امنگیں اور ولولے دم توڑ جاتے ہیں۔ حقیقی مسرتیں گم ہو جاتی ہیں۔ شادی کو ہمارے یہاں واقعی جوا بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ جبکہ میں اسے ایک خوبصورت اور مسر

ت انگیز اور پائیدار زنجیر سمجھتا ہوں جو دونوں فریقوں کو باہم ایک دوسرے کی محبت میں جکڑ کر زندگی کو مکمل کرتی ہے۔'' وہ ایک دو لمحے کے توقف کے بعد پھر بولے۔

''عینیہ دراصل تمہیں پسند کرتی ہے اور اگر اس کا ذہن تمہیں قبول کر رہا ہے تو یہ اتنی معیوب بات بھی نہیں ہے۔ اس لیے میں اس کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ فہد کی فکر مجھے اس لیے نہیں ہے کہ وہ بالکل غیر جانبدار ہے۔ اس نے ابھی تک ذہن میں کوئی خاکہ نہیں بنایا تھا۔'' تیمور اتنا کہہ کر چپ ہو کر عمر کا چہرہ تکنے لگے بلکہ میز پر موجود ہر کسی کی نظریں اس پر تھیں۔

وہ پلیٹ میں موجود کباب پر کچھ دیر تو کانٹا مارتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس بھر کر ہلکے سے مسکرایا تھا۔ یوں جیسے بڑے عرصے کے بعد کندھے پر رکھے بوجھ کو اتارنے کا وقت آیا ہو۔

بڑے دنوں بعد کوئی خوشی دل سے اتر کر روح میں پھیل گئی ہو اور اب ہی مسکرانے کا وقت آیا ہو، یقیناً محبت بڑا پاگل جذبہ ہے۔ یہ سیلاب کی طرح حملہ آور ہوتا ہے اور اپنے سامنے کی دیوار کسی رکاوٹ کو نہیں دیکھتا..... بلکہ اسے بھی توڑ کر بہا کر لے جاتا ہے۔ ایسا ہی عینیہ کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ بے خبر نہیں تھا۔ اس کی تین دن کی اس بھوک ہڑتال۔ اس کی بیماری سے .... ہاں بس منتظر تھا کہ کب یہ فاقہ مستی رنگ لاتی ہے کہ اس کی دیوانگی مضبوط دیوار کو توڑتی ہے۔

اس نے ثمرہ کی طرف ذرا سی نگاہ کی۔ پھر تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ٹھہرے لہجے میں بولا۔

''آپ کی باتیں اپنی جگہ بالکل بجا ہیں۔ شادی واقعی باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ صرف عینیہ کی اپنی خواہش ہے' میری نہیں۔''

اس کا خیال تھا اس نے یہ کہہ کر میز پر نہ سہی ثمرہ کے دل پر ضرور دھما کہ کیا ہے۔ اس کا خیال درست ہی تھا۔ ثمرہ تحیر آمیز بے یقینی کے ساتھ اسے تکتی رہ گئیں۔

''میں بھی سمجھوتے کا قائل نہیں ہوں پاپا..... بہر حال ہر شخص کو پسند کرنے کا حق حاصل ہے وہ اگر مجھے پسند کرتی ہے اور اتنی شدتوں سے تو... یہ اس کا پاگل پن ہے یا پھر جذبات بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر میں اس کے لئے ایسے کوئی جذبات نہیں رکھتا۔''

اس کا لہجہ ٹھنڈا اور پر سکون تھا۔

پھر وہ ثمرہ کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے بہت دکھ ہوا کہ آپ نے اس کی تربیت میں کوتاہی کر دی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر تعلیم پر توجہ دینے کی تھی۔ اتنی چھوٹی اور معصوم عمر تو ماں باپ کے فیصلے پر سر جھکانے کی ہوتی ہے نا کہ سرکشی کی۔''

اس کے لبوں کی تراش میں پھیلی مسکراہٹ کچھ سلگتی سی استہزائیہ آمیز ہو کر لبوں پر منجمد سی ہو گئی۔ وہ اس دھیمے لب و لہجے میں بولا۔

''اس عمر میں بھڑکتی آگ کی چمکتی لو اتنی ٹیکٹو شے دکھائی دیتی ہے۔ جسے چھونے کی خواہش مچل جاتی ہے مگر وہ آگ کو چھونے کے بعد کی سیاہ کاریوں سے بے خبر ہوتی ہے مگر آپ تو سمجھدار اور میچور تھیں ثمرہ پھوپو۔ آپ تو اس آگ کی تباہ کاری سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اسے باز رکھ سکتی تھیں۔''

وہ کہہ کر اسی اطمینان سے کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

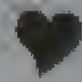

عمر تیمور نے لفظوں کے جو طمانچے مارے تھے اس کی اذیت ثمرہ اپنے دل کے رخسار پر کتنی ہی دیر تک محسوس کرتی رہی۔ انہیں اپنے اعصاب شل ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جیسے اب وہ اس کرسی سے کبھی نہ اٹھ سکیں گی۔ یونہیں پتھر کی سل کی طرح پڑی رہیں گی۔

خفت اور سبکی کا احساس اس قدر شدید تھا کہ سر اٹھا کر اس کے خوشی سے دمکتے سرخ چہرے کی طرف دیکھ بھی نہ پائیں۔

اور رات گئے جب خود کو گھسیٹتی ہوئی گھر لوٹیں تو انہیں لگا جیسے وہ لمبی مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچی ہوں۔ خود اپنے پیروں سے چلتی ہوئی آئی ہوں۔

ٹوٹے پھوٹے راستوں پر دوڑتی ہوئی'

خارزار جھاڑیوں سے الجھتی ہوئی۔

ایک ایک انگ شدت سے دکھ رہا تھا۔ مگر اس کی اذیت صرف ان

رہا تھا۔ تکلیف کا احساس جسم پر نہیں روح پر محسوس ہو رہا تھا۔

وہ تو دوہرے صدمے سے گزر رہی تھیں۔

ایک اپنی شکست کا زخم۔

اپنی بچی کا احساس آنسو رلا رہا تھا دوسرا بیٹی کے خوابوں کے بکھرنے کا۔

اس کی خوشی کا بنتا گھروندہ یک دم ٹوٹنے کا ملال۔

مگر یہ ملال انہیں کیوں کر ہوا۔ وہ حیران ہو گئیں۔ انہیں تو خوش ہونا چا

وہ کانٹا خود ہی نکل گیا تھا درمیان سے۔

عمر نے خود ہی اس کا رشتہ مسترد کر دیا تھا۔

تیمور کی بات رد کر دی تھی۔ فہد کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور یہی تو

تھیں۔ اسی تگ و دو میں تو تھیں۔

مگر اب ایسی چوٹ کیوں لگی تھی کہ تکلیف کا احساس خون بن کر رگوں میں

تھا۔

ہاں مگر شاید اس طرح نہیں چاہا تھا۔

یوں تذلیل کے احساس کے ساتھ۔

وہ چپکے چپکے سارے آنسو بہا کر بیٹی کے پاس چلی آئیں۔

وہ جانتی تھیں اس کے کان کوئی خوش خبری سننے کے منتظر ہوں گے۔ مگر اب

کہ ان کے پاس ایسی کوئی خوش خبری تھی ہی نہیں وہ اسے اور کیسے بہلاوا دے سکتی تھیں۔

انہوں نے عمر کی طرف سے کیا ہوا انکار اس کے گوش گزار کر دیا۔ یقین

کی سی کیفیت میں رہ گئی۔ ماں کا چہرہ دیکھنے کے بعد اس بات کو جھوٹ یا مذاق

نہیں کر سکتی تھی۔

عمر نے خود انکار کر دیا اس سے شادی سے۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں پھر سکڑنے لگیں۔ اسے اپنے اعصاب ٹوٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ دوسرے پل وہ تیورا کر قالین پر ڈھیر ہو گئی۔

ثمرہ کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ لپک کر اس کے نزدیک آئیں اور اسے بازوؤں میں بھر کر اس کے منہ پر ہلکے ہلکے تھپڑ مارنے لگیں۔ ساتھ ساتھ ملازمہ کو بھی آوازیں دینے لگیں۔

"زبیدہ... زبیدہ۔"

زبیدہ جلدی سے احمر کو بلاؤ۔ ان کے پاپا کو بلاؤ۔ جانے میری بچی کو کیا ہو گیا۔" وہ کمرے میں داخل ہوتی ملازمہ کو دیکھ کر چیخیں تو وہ بدحواس الٹے پیروں واپس مڑ کر ثمرہ کے بیڈروم کی طرف بھاگ لی۔

پاپا (احمر) خود گھبرا گئے اور ڈاکٹر کو لینے دوڑ پڑے۔ چند گھنٹوں بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔ اور ہوش میں آنے کے بعد وہ بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ ثمرہ سے سنبھل نہ رہی تھیں۔ پاپا ڈاکٹر کو چھوڑنے باہر تک گئے تھے۔

"یہ جھوٹ ہے امی۔ کہہ دیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ آپ نے میرے خلاف سازش کی ہے۔ آپ سب لوگوں نے مل کر۔ ورنہ عمر.... عمر ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ... وہ مجھے کبھی ریجیکٹ کر ہی نہیں سکتے۔"

"بھول جاؤ اسے۔ وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔ ایسا ہی ہے وہ دھوکے باز جھوٹا مکار۔" ثمرہ اسے تھپکتے ہوئے نفرت سے بولیں اس نے بھیگی بھیگی آنکھیں زور سے میچ لیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں امی۔ وہ دھوکے باز نہیں ہیں وہ جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ میں خود جاؤں گی وہاں۔" آنکھیں کھول کر وہ اپنے جسم پر پڑی چادر دور پھینک کر ثمرہ کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی۔

"مجھے لے جائیں وہاں۔ میں نانو کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ پلیز امی! مجھے نانو کے پاس لے جائیں پلیز۔ لے جائیں نا۔"

"ہوش کرو عینیہ۔ اتنی رات گئے وہاں کیسے جا سکتے ہیں۔ صبح نانو خود آ جائیں گی تمہارے پاس۔ میں خود انہیں لے کر آؤں گی بس اب خود کو سنبھالو دیکھو تمہارے پاپا بہت پریشان ہیں تمہارے لئے۔ تمہیں روتا دیکھیں گے تو ان کا دل بہت دکھے گا۔ بس کرو میری جان بس کرو۔"

وہ اس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ پونچھنے لگیں۔ اس نے تھک کر تکیے پر واپس سر رکھ دیا اور درد سے پھٹتے سر کو سنبھالا دینے کے لئے آنکھیں موند لیں۔

مگر اب بھی اس کی آنکھوں سے لاوا چپکے چپکے بہتا رہا جیسے دل کے اندر کوئی آتش فشاں پھٹ گیا ہو۔ وہ کیسے اس بات کا یقین کر لیتی کہ عمر نے اسے رد کر دیا ہے۔ کیا وہ اس کے جذبوں سے ناآشنا تھا؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا وہ تو خود اس کے جذبوں کے چراغوں میں وقفے وقفے سے اپنے التفات کا تیل ڈالتا رہا تھا۔ وہ اس کی دیوانگی سے اچھی طرح باخبر تھا۔

اور پھر اس کی وہ دل آویز باتیں

وہ دل موہ لینے والی نگاہیں

وہ دھیما متبسم لہجہ

اور روح میں اتر جانے والے جملے۔ جس کی پھوار میں گاہے بگاہے بھگوتا

رہتا تھا۔

اور اس کی ڈائری میں لکھیں وہ خوب صورت چھوٹی چھوٹی نظمیں۔ اور جو اسے پڑھنے دینا۔ کیا یہ سب اس کے جذبوں کی پذیرائی نہیں تھی؟

یہ ڈھکا چھپا اظہار نہیں تو اور کیا تھا۔

وہ کیسے یقین کر لیتی کہ وہ ساری کی ساری محض اس کی غلط فہمیاں تھیں۔

اس نے بڑی بے بسی اور اضطراب سے تکیے پر سر پٹخا۔

ابھی تو رت بدلنی تھی ابھی تو پھول کھلنے تھے
ابھی تو رات ڈھلنی تھی ابھی تو زخم سلنے تھے
ابھی تو سرزمین جاں پر ایک بادل کو گھر کر آنا تھا
ابھی تو وصل کی بارش میں بھیگے پاؤں پھرنا تھا
ابھی تو کشت غم میں اک خوشی کا خواب بونا تھا
ابھی تو سیکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو کہنا تھا
ابھی تو ساحلوں پہ مشک ابر باد چلنی تھی

نہ جانے رات کے کس پہر اسے نیند آ گئی تھی۔ صبح آنکھ کھلی تو پورا بدن آگ کی طرح پھنک رہا تھا مگر باوجود اس کے ایک ہی ضد تھی وہ نانو کے پاس جانا چاہتی تھی۔

ثمرہ نے اس کی ضد اور کیفیت کے پیش نظر اماں جان کو فون کر دیا تھا۔ ان کا تو خیال تھا کہ وہ یہ معاملہ خود ہی ہینڈل کر لیں مگر اب انہیں بچی کی بگڑتی حالت نے خوف زدہ سا کر دیا تھا۔

اماں تو فون پر عینیہ کی بیماری کا سنتے ہی دوڑی چلی آئیں اور جو اس کی حالت دیکھی تو ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا انہوں نے لپک کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔ وہ بھی سارے

وہ ایک بار پھر بدک گئی۔ نانو کے ہمدرد اور غم گسار بازوؤں میں بکھر بکھر گئی اور اتنا روئی کہ جیسے اب عمر بھر نہ رو سکے گی۔

نانو اسے تھپک تھپک کر سہلاتی رہیں اور ساتھ ساتھ دبی دبی زبان میں ثمرہ کو بھی برا کہنے لگیں۔ اسے مورد الزام ٹھہرانے لگیں۔ ثمرہ پر ملال انداز میں ہونٹ بھینچے اس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی جا رہی تھیں۔

"یہ سب تمہاری ضد کا نتیجہ ہے۔ صرف تمہاری بے جا ضد کا۔" اماں کے اس الزام پر اس کا ضبط جواب دے گیا۔

"میری ضد؟" انہوں نے انتہائی شکایتی انداز میں ماں کو دیکھا پھر نفرت سے بولیں۔ "میری ضد یا عمر نے اپنی برسوں پرانی دشمنی نکالی ہے۔"

"خبردار۔ جو عمر کو کچھ کہا یا اس پر کوئی الزام رکھا۔" اماں آتشیں ہو کر پھٹ پڑیں۔ "اس بچے پر الزام لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے کون سا اس سے محبت، شفقت کا سلوک روا رکھا ہے۔ اپنی غلطیوں پر پردہ مت ڈالو ثمرہ۔ اس کے ساتھ تم نے اور ثمن نے آج تک جو کچھ کیا ہے اگر وہ بدلے میں ایسا کرے تو بھی اس کا حق بنتا ہے مگر وہ اس معاملے سے قطعی لاتعلق ہے اس نے یہ کسی انتقامی کارروائی کے تحت نہیں کیا، وہ تو یوں بھی کسی سے بھی شادی کے حق میں نہیں تھا۔"

"جھوٹ بولتا ہے وہ۔ اس نے میری بچی کو ورغلایا ہے۔" ثمرہ یک دم چلائی اور ٹھنڈے پانی کا ڈونگا ہاتھ مار کر بیڈ سے نیچے گرا دیا اور خود بیڈ سے اتر کر کرسی پر جا کر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگیں۔

کمرے میں یکلخت ملول فضا چھا گئی۔ اماں جان کے ساتھ عینیہ بھی انہیں بس دیکھتی رہ گئی۔ کچھ دیر ان کی سسکیاں گونجتی رہیں پھر وہ دھیرے سے بولیں۔

"اس نے انتقام ہی لیا ہے مجھ سے۔ ہاں اماں اس نے انتقام لیا ہے۔" وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگیں۔

"اسے انتقام لینا ہوتا تو بہت پہلے لے چکا ہوتا۔ وہ کیوں تمہارا اور ثمن کا احترام کرتا رہا۔ محض مروت میں۔ اس کی رگوں میں ثمن کا نہیں شہلا کا خون دوڑ رہا ہے اس لیے اس کے اندر مروت ہے۔"

اماں جان نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا۔ ان کا لہجہ اس قدر رکھا تھا کہ ثمرہ کٹ کر رہ گئی۔ پھر جھٹکے سے کرسی سے اٹھیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ادھر عینیہ اس انکشاف کے دھماکے سے متحیر رہ گئی تھی کہ عمر ثمن کا نہیں کسی شہلا کا بیٹا ہے۔ اس نے ثمرہ کو کمرے سے جاتے دیکھا پھر اسی حیرت آمیز نظروں سے نانو کا چہرہ تکنے لگی، جن کی نظریں اس کی جانب اٹھیں تو اس میں مچلتے سوالات نے انہیں لحظہ بھر کو نظریں چرانے پر مجبور کر دیا۔ وہ نگاہیں جھکا گئیں اور اس کا سر ہولے ہولے دبانے لگیں۔ مگر اس نے ان کا وہ لرزتا ہاتھ اپنی پیشانی سے ہٹا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور ان پر گرفت کرتے ہوئے لرزتی مرتعش آواز میں بولی۔

"نانو! یہ شہلا کون ہیں؟" اس کے ایک سوال میں ہزار سوال مچل رہے تھے۔ ایک خوف دھڑک رہا تھا۔ تحیر ہلکورے لے رہا تھا۔

"عمر کی ماں۔" اماں جان کی آواز بے حد دھیمی تھی۔ ان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ ان میں عینیہ کے چہرے پر نگاہیں ڈالنے کا یارا نہیں تھا۔ وہ بس اس کی آواز سن رہی تھیں وہ کہہ رہی تھی۔

"مجھے وہ سب بتا دیں نانو۔ جو آج تک مجھ سے چھپایا گیا ہے۔ امی کی عمر سے

نفرت کی پیداوار ہے جس کی لپیٹ میں میرے سارے خواب آ کر بکھر گئے ہیں۔ نانا نانو۔ آپ کو میری قسم۔ میری قسم۔'' وہ ان کا ہاتھ جھنجوڑنے لگی۔

اس کے لہجے میں منت سماجت تھی۔ اماں جان نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال کر اس کے سر پر نرمی سے رکھ دیا۔

''جب ہماری سوچ کے برخلاف کچھ ہو جاتا ہے۔ جب ہم کسی سے خود بخود بہت سی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور جب وہ ٹوٹتی ہیں تو سوچ کا دھارا جذبات میں منفی رخ کی طرف بہنے لگتا ہے۔ دل میں کھنچاؤ سا پیدا ہوتا ہے اور اس کھنچی اور دل رفتہ رفتہ مر جانے جیسے نفرت کا بیج پڑ جاتا ہے اگر اس بیج سے اگنے والے پودے کو اگتے ہی نہ کاٹ دیا جائے تو وہ تناور درخت بن جاتا ہے اور اگر اس کی مسلسل آبیاری کی جائے تو پھر وہ اس قدر گھنا و بیز ہو جاتا ہے کہ اس کی شاخیں ادھر ادھر پھیل کر محبت کے پودے کے اگنے کے لیے جگہ نہیں رہنے دیتیں۔ اس کی جڑیں دل کی زمین پر دور دور تک پھیل کر ساری زمین کو بنجر کر دیتی ہیں۔ بس پھر اس زمین پر نفرت کی خودرو جھاڑیاں ہی اگ سکتی ہیں اور نفرت کا جنگل وجود میں آ جاتا ہے جو اس زمین کے سینے کے ساتھ ارد گرد کی زمینوں کو بھی زخمی ہی کر سکتا ہے انہیں ٹھنڈا سایا نہیں دے سکتا۔ انہیں صرف اندھیرا دے سکتا ہے۔ پھول اور خوشبو نہیں۔ ایسا ہی ایک جنگل ثمرہ اور ثمن کے وجود میں اگ آیا ہے۔''

اماں جان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی اور باہر راہداری میں بے قراری سے ٹہلتی ثمرہ کے وجود میں یہ نمی آگ کی بوندوں کی طرح ٹپ ٹپ گرنے لگی۔

وہ ایک کرب سمیٹ کر لاؤنج کے صوفے پر جا کر گر سی گئیں۔ اس کی نرم پشت پر سر رکھ کر سلگتی آنکھوں کو زور سے بھینچ لیا۔

وہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھیں۔

وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھیں۔

مگر

سوچیں خودرو پودوں کی طرح اطراف میں اگتی جا رہی تھیں۔

نگاہوں تلے وہ سب لہرا رہا تھا جو ماضی بن چکا تھا۔

''ہاں اماں جان۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں میرے اندر نفرت کا ایک جنگل اگ گیا ہے۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ سوائے اندھیرے اور بدبو کے اس جنگل میں کچھ نہیں ہے۔

انہوں نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

''ثمن۔ تمہیں تیمور بھائی سے کتنی محبت ہے؟'' ثمرہ نے کیسٹ پلیئر پر جھکی ثمن سے یہ سوال بڑی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ جس کے جواب میں ثمن نے یونہی کہنی کے بل لیٹے لیٹے صرف چہرہ موڑ کر اسے دیکھا پھر کیسٹ پلیئر میں ڈال کر کھٹ سے پلے کا بٹن پش کر کے ہولے سے مسکرائی۔

''یہ اتنا بے ہودہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تمہیں؟''

''بے ہودہ تو نہیں ہے۔ کیا تمہیں محبت نہیں ہے تیمور بھائی سے؟'' وہ اب بھی تکیہ گود میں دبائے اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ثمن پشت پر ادھر ادھر بکھر جانے والے بالوں کو سمیٹ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''سوال تو بے ہودہ نہیں ہے مگر جواب بے ہودہ ہو سکتا ہے۔ یعنی وہی فلمی سا۔''

اس کے انداز میں شوخی تھی کہ ثمرہ ہنس پڑی۔

''چلو فلمی ہی سہی۔''

کیا مصیبت ہے۔ ابھی تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا دورہ پڑ گیا ہے کیا تمہیں پتا نہیں ہے کہ" اس نے لب دانتوں میں دبا لیے۔ ایک شرگیں مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی تو اس نے تکیہ اٹھا کر ثمرہ کو دے مارا۔

"بدتمیز لڑکی۔ بھلا میری محبت' میری بے تابیاں ڈھکی چھپی ہیں تم سے۔ ایک تم ہی تو ہو جو میرے اس پاگل پن سے واقف ہو۔"

"تو محترمہ صرف میرے واقف ہونے سے کام نہیں چلے گا۔ انہیں بھی واقف ہو جانا چاہئے۔" ثمرہ زور سے ہنسی تھی وہ جھینپ گئی۔

"بنتے ہیں وہ۔ سب واقف ہیں۔ کیا سمجھتے نہیں ہیں کہ میں ممانی جان سے نہیں صرف ان سے ملنے آتی ہوں اور تم بھی تو ہر وقت بکواس کرتی رہتی ہو۔ کیا وہ نا سمجھ ہیں کم سن ہیں کہ نہ سمجھتے ہوں۔"

اور ثمرہ بہت کچھ کہنے کی خواہش اندر ہی دبا کر چپ سی ہو گئی۔

یہ سچ تھا کہ ثمن کی یہ وارفتگیاں' محبت کی دیوانگیاں اس سے ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔

وہ اس کی پھوپی زادی نہیں اس کی بہترین سہیلی بھی تھی۔

اسے خود بھی ثمن بے حد پسند تھی۔ اور اماں بھی ثمن کو بہو بنانا چاہتی تھیں۔ بس انتظار تھا کہ ثمرہ اور ثمن کا فائنل مکمل ہو جائے اور ادھر تیمور بھی تو ابھی ٹال مٹول کر رہا تھا۔ صبح کا نکلا شام کو آتا۔ دو گھڑی ماں کے پاس بیٹھتا اور جو شادی کا موضوع نکلتا تو بڑی خوب صورتی سے دامن بچا کر نکل جاتا۔ سو اماں یہ موضوع چھیڑتی ہی نہ تھیں۔

مگر آج کل ثمرہ کچھ پریشان سی تھیں۔ اسے تیمور میں کچھ تبدیلی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ اسپرے تو پہلے بھی کرتا تھا مگر اب تو لگتا وہ خوشبوؤں میں نہا کر گھر سے نکلتا تھا۔ کپڑوں پر بھی خصوصی توجہ دینے لگا تھا۔ رات دیر دیر تک جاگنے لگا۔ اسے فون پر بھی لمبی

گفتگو ہوتی۔ ہنسی مذاق۔ ہلکی پھلکی شاعری۔

وہ ثمن کو بھی خبردار کرنا چاہتی تھی مگر وہ تو شاید اپنے آپ میں ہی گم تھی۔ اور خود پسندی میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ بھلا اس جیسی حسین پری کو چھوڑ کر تیمور کسی اور میں دلچسپی کیسے لے گا۔

وہ اکثر کہتی۔

"تمہارا بھائی بہت سڑو ہے۔"

"بھئی تم پوری جادوگرنی جو ہو۔ ڈرتے ہیں نا' نگاہ ڈالی تم پر تو سحرزدہ ہو جائیں گے' پھر کس کام کاج کے نہیں رہیں گے۔ یہ جو اتنی لمبی لمبی زلفیں ہیں نا۔ یہ آکٹوپس کی طرح انہیں جکڑ لیں گی۔ اور یہ جو تمہاری جھیل سی آنکھیں ہیں نا ان میں ڈوب گئے تو پھر بچ نہیں سکیں گے۔ تیرنا جو نہیں آتا۔ اور یہ جو لب لعلیں ہیں نا تمہارے۔"

"اچھا۔ بس... بس۔" وہ اس ستائش کو تفاخر سے سمیٹے ہوئے ہنستے ہنستے ثمرہ کو دو تین ہاتھ جڑ دیتی۔

"انہوں نے اپنی زبان تمہیں دے دی ہے کیا؟ وہ آنکھیں پھیلا کر کہتی تو ثمرہ کندھے اچکاتی۔

"آف کورس۔ یہی سمجھ لو ڈیئر کزن۔ تمہیں پتا نہیں ہے یہ سڑے قسم کے اور نگاہوں کو بچا بچا کر چلنے والے ہوتے ہیں نا وہی ایک کے ہو کر رہتے ہیں اور ان کی محبت بھی گہرے سمندر جیسی ہوتی ہے۔ ایک بار اپنے اندر ڈوبنے والے کو ابھرنے نہیں دیتے۔"

"اوئے ہوئے۔ بڑی وکالت کر رہی ہو بھائی کی مگر ثمرہ ڈیئر یہ تو ڈن ہے نا۔ تم تو میری رازداں' میری سہیلی ہو۔"

"بھئی تم کہو تو' تمہارے دل کا حال بھی من وعن ان تک پہنچا دوں۔" اور جواباً

ثمن ایک گہری سانس بھر کر رہ جاتی۔

حال دل تو کھل چکا اس شہر میں ہر شخص پر
ہاں مگر اس شہر میں اک بے خبر بھی دیکھنا

اور اب ثمرہ سوچ رہی تھی کہ وہ ثمن کہ کہہ دے گی کہ حال دل سنانے [illegible] کرے۔ کہیں اس کا بھائی واقعی کسی اور کی زلفوں کا... نہیں نہیں خدا نہ کرے۔

وہ تو تصور میں بھی ثمن کے علاوہ کسی اور کو بھابی کے روپ میں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس روز اس نے فون کر کے ثمن کو صبح سے بلوالیا تھا۔ چونکہ سنڈے تھا۔ کالج بھی آف تھا اور گھر میں بھی فراغت تھی۔ سو وہ چلی آئی پھر اسے کچن میں مصروف دیکھ کر بولی۔

"یہ سب کس سلسلے کی تیاری ہے۔ کوئی آ رہا ہے کیا؟" اس نے پیزا کے لئے ثمرہ کو میدے سے الجھتے پا کر پوچھا سلیپ پر بھی ارد گرد کیک بنانے کے لوازمات بکھرے پڑے تھے۔ ایک طرف چکن رول کے لئے چکن رکھی تھی۔ ٹوٹے ہوئے انڈے ایک پیالے میں پڑے تھے وہ حیرت اور تجسس سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔

"اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ سب دیکھنے کی بجائے ہاتھ پیر چلاؤ۔ تم نے موم کے یہاں کیک اس روز بڑا زبردست بنایا تھا۔ آج ذرا بناؤ تو۔"

"مگر یہ سب کس کیلئے کر رہی ہو؟ اتنا ٹھونسو گی خود کیا۔" اس نے دوپٹا ایک طرف لٹکایا۔ آستین فولڈ کی اور انڈوں کو پھینٹتے ہوئے بولی۔

"ہاں اتنی ہی پیٹو ہوں نا۔ کبھی ٹھونسا ہے اکیلا اتنا۔ وہ میدے میں خمیر ملا کر اسے ایک اونی کپڑے سے ڈھک کر بجھے اوون کے اندر رکھ کر ہاتھ بیسن میں دھونے لگی۔

"بھئی مجھے کیا پتا' میں روز تمہاری جاسوسی تھوڑا ہی کرتی ہوں۔"

"اچھا بکو مت۔ اور سنو کیک مزے دار ہونا چاہیے اور آئسنگ بھی کرنا اور اس پر لکھنا Happy Birthday ثمرہ اس کا کندھا تھپک کر کچن کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے سر ہلا دیا پھر یک دم چونکی اور میدہ چھانتے ہوئے چلائی۔

"اے اے' کیا مطلب؟ برتھ ڈے۔ مگر ابھی دو ماہ پہلے ہی تو تمہاری برتھ ڈے آئی تھی۔ کیا پھر؟ اے ثمرہ بے وقوف لڑکی' لڑکیاں تو تین سالوں بعد اپنی ایک سالگرہ مناتی ہیں اور تم ہر دو مہینے کے بعد۔"

اف کس قدر احمق لڑکی ہو تم۔" ثمرہ پلٹ کر اسے گھورنے لگی۔ "کیا اس پورے گھر میں بلکہ اس دنیا میں ایک واحد میری ہی سالگرہ ہو سکتی ہے۔ گدھی لڑکی' تیمور بھائی بھی ہر سال بڑھتے ہیں۔"

"ایں۔ اس کا ہاتھ میدے کی تھیلی میں چھپ سے پڑا تو چونکی۔ پھر سیٹی کے انداز میں اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ ایک خوب صورت رنگ اس کے چہرے پر آ کر ٹھہر گیا۔

"تو یہ کہو نا۔ بے ہودہ لڑکی۔ اب دیکھنا کیک کیسا بنتا ہے بلکہ تم کہو تو پیزا بھی میں ہی بنا دوں۔"

ثمرہ زور سے ہنسی۔

"اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ بصد شوق۔ یوں بھی کہتے ہیں کہ مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ تم معدے کا سب سے پہلے نشانہ لو۔ نشانہ ٹھیک لگا تو سمجھو دل بھی تمہارا۔"

"ارے جاؤ' وہ تو ہمارا ہی ہے۔ معدے کا راستہ وہ ڈھونڈتی ہیں جن بے چاریوں کے پاس دل جیتنے کے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہوتا۔ نہ شکل نہ عقل۔" اور جواباً ثمرہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ بات تو سو فیصد درست تھی۔

نازک سراپا۔

گوری چٹی رنگت۔

گھٹاؤں جیسے بال۔

وہ مکمل تھی اور اس پر ادائیں دل موہ لینے والیں۔

شام کے وقت دونوں نے مل کر لان کی کین کی ٹیبل لوازمات سے سجا دی۔ اب تیمور کے کمرے سے نکلنے کا انتظار ہونے لگا۔ وہ عموماً شام کی چائے اہل خانہ کے ساتھ لان میں ہی پیتا تھا۔ اسی لئے وہ حسب عادت لان میں آیا تھا مگر بیٹھنے نہیں بلکہ اماں جان کو خدا حافظ کہنے۔

وہ پریس شدہ کپڑوں میں تازہ تازہ شیو کیے' خوشبو میں بسا۔ ہاتھ میں گاڑی کی چابی لیے' ادھر آیا اور ثمن کو گویا اپنا دل پہلو سے نکلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ ثمن کو دیکھ کر اخلاقاً اس سے سلام دعا کرنے لگا۔

''کیسی ہو ثمن؟''

''شکر ہے آپ کو نظر تو آئی میں۔'' وہ جواباً شرارت سے ہنسی۔ وہ خجل سا ہو گیا۔

''کیا مطلب؟''

''کس بات کا؟'' اب بھی شرارت آمیز انداز تھا۔

''آپ بیٹھئے تو سہی۔'' ثمرہ اسے کھڑا دیکھ کر بولی۔

''نہیں بیٹھنے وٹھنے کا تو ٹائم نہیں ہے' امی کہاں ہیں؟'' اس نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ لوازمات سے سجی میز پر اس کی نگاہیں نہ گئی تھیں۔

ثمرہ اور ثمن نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ثمرہ بولی بلکہ چلائی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ جا رہے ہیں اور یہ جو بہت سا ہم نے تیار کیا

ہے۔ کیوں؟ پتا ہے کچھ۔''

وہ اب کے چونکا۔ پہلے ٹیبل کو پھر ثمرہ کو دیکھنے لگا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''آج آپ کی برتھ ڈے ہے۔ اور ہم نے بلکہ ثمن نے آپ کو سرپرائز دیا ہے۔ اسی نے کیک بیک کیا ہے اور پیزا بھی بنایا ہے۔''

''اوہ۔'' اس نے ہونٹ بے ساختہ بھینچ کر ثمن پر نگاہ ڈالی۔ خاصی شرمندہ سی معذرت خواہانہ سی نگاہ تھی۔

''تم لوگوں نے مجھے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ اب تو میرا جانا بہت ضروری ہے۔ ایک دوست کو ٹائم دیا ہوا ہے۔'' وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے خاصا متاسف نظر آ رہا تھا۔

''کیا وہ دوست مجھ سے بھی اہم ہے؟'' ثمن نے سر اٹھا کر اسے یوں دیکھا جیسے اسے ہپناٹائز کر دے گی اس کے قدموں کو جکڑ لے گی۔ پھر کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔ خوب صورت لباس اور ہلکے ہلکے میک اپ میں وہ بھرپور اہتمام کے ساتھ تیار ہو کر بلاشبہ حسین لگ رہی تھی۔ بالوں کو اس نے پشت پر کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ جو کسی آبشار کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔

تیمور اس کے انداز پر ذرا سا چونکا۔ پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے چابی ہتھیلی پر اچھالتے ہوئے بولا۔

''بات اہم یا غیر اہم ہونے کی نہیں ہے' بات زبان کی ہے کیے ہوئے وعدے کی ہے اور میں وعدہ خلاف بہرحال نہیں ہوں۔ آئی ایم سوری ثمن۔ میں ٹھہر نہیں سکتا میرا خیال ہے میری واپسی کا تم لوگ انتظار کر لو۔ رات تو ہماری ہی ہو گی نا۔ ہلہ گلہ کر لیں گے۔'' وہ آخر میں کچھ سوچ کر پچکارنے والے انداز میں بولا تھا پھر ان دونوں کے جواب کا انتظار

کیے بغیر بولا۔

''اچھا او کے۔ میں امی کو خدا حافظ کہہ آؤں۔ پلیز گرلز مائنڈ مت کیجئے گا۔ آپ لوگوں کی محبت اور خلوص سر آنکھوں پر۔'' وہ ہنسا پھر اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد بڑی تیزی سے باہر آیا اور روش پر چلتا ہوا پورٹیکو میں کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔

ثمن اپنی جگہ ابھی تک پتھر کے مجسمے کی طرح کھڑی تھی۔ ثمرہ الگ شرمندہ شرمندہ سی بیٹھی رہی۔ پھر سانس بھر کر بولی۔

''کیا خیال ہے انتظار نہ کر لیں ان کا؟''

ثمن چپ چاپ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اسے بڑا دھچکا لگا تھا۔ تیمور کے رویے سے۔ اسے پیزا اور کیک پر محنت کرنے کا دکھ نہیں تھا بلکہ اپنے اوپر کی گئی محنت کا دکھ تھا جو ضائع گئی تھی۔ اتنا حسین مرد پہلو میں دل رکھتے ہوئے بھی حسن کی تپش محسوس نہ کر سکتا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

یا تو یہ شخص پاگل ہے یا پھر......

یا پھر۔'' وہ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

یا پھر کیا ہو سکتا ہے؟''

''دراصل تیمور بھائی۔ اپنے وعدے کے بہت پکے ہیں۔ اب کسی دوست کو ٹائم دے دیا ہوگا۔ یا ہو سکتا ہے دوستوں نے ان کی برتھ ڈے کو سیلیبریٹ کیا ہو۔''

''جو بھی ہو۔ لکھ لو کہ تمہارا بھائی انتہائی سڑو ہے۔'' وہ ثمرہ کا ہاتھ کندھے سے جھٹک کر بیڈ پر جا کر بیٹھی اور منہ پھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ثمرہ ہنسنے لگی۔

''سارے بدلے گن گن کر لے لینا ایک بار ہی۔ تم کہو تو امی کو بھیجوں اب۔'' وہ اس کی طرف جھکی تو وہ چہرہ موڑ کر اسے آنکھیں دکھانے لگی۔ تب ثمرہ مزید شرارت سے بیڈ

کے سائڈ بورڈ پر انگلیاں بجا کر گانے لگی۔

آئے گا کوئی آئے گا
دھڑکن دھڑکن پھول کھلیں گے
جھوم اٹھیں گے سارے نظارے
دلہن بن جائیں گی راہیں
دیکھ کے اسکو پھیلاؤں گی

''ثمرہ کی بچی۔'' اس نے تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا مگر ثمرہ شوخی اور شرارت سے اسی ٹیون میں گاتی رہیں۔

جتنا اس نے تڑپایا ہے
میں بھی اسے تڑپاؤں گی
اک ادا سے ہاتھ چھڑا کر آج خفا ہو جاؤں گی
اپنی نظر میں پیار سجا کے
مجھ کو یار منائے گا
آئے گا کوئی آئے گا
دھڑکن دھڑکن پھول کھلیں گے

اس کی شرارتیں عروج پر تھیں۔ ثمن اسے دوسرا تکیہ مار کر جلتی ہوئی بیڈ سے اتر گئی۔ اور ثمرہ چیختی رہ گئی مگر وہ کمرے سے بھاگ نکلی۔

کئی دنوں سے دل کی دیواروں پر آہٹ دیتا حدشہ ثمرہ کے دل کے دروازے پر آخر کار دستک دینے چلا آیا۔ تیمور میں ہونے والی تبدیلیوں کا محرک منظر عام پر آ گیا تھا۔ وہ

اماں سے کسی شہلا نامی لڑکی کیلئے فائٹ کر رہا تھا۔

''اور ثمن۔ ثمن کا کیا ہوگا؟'' اماں کی آواز میں دل گرفتگی تھی۔ اور وہ تیمور کے کمرے کے باہر دروازے کے فریم پر ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی تھی۔

نہ وہاں سے ہٹنے کی سکت تھی نہ اندر جانے کا یارا۔

''ثمن... کیا مطلب؟ ثمن کون سی میرے نام پر بیٹھی ہے کہ اس کی فکر ہے آپ کو۔ یہ تو محض آپ کی خواہش تھی۔ صرف آپ کی۔ میں نے کبھی آپ سے ثمن کا نام نہیں لیا۔ امی پلیز۔''

وہ اماں جان کے قریب فرش پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں میں بھی منت سماجت اتر آئی۔

''آپ ایک بار شہلا سے مل تو لیں۔ وہ آپ کو بے حد پسند آئے گی امی ہم دونوں کے درمیان بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ اور ذہنی ہم آہنگی تو رشتوں کو مضبوط کرتی ہے نا۔''

''مگر... مگر ثمن میں کیا خرابی ہے۔ گھر کی لڑکی ہے۔ میرے بھائی کی بیٹی۔ اچھی شکل۔ پڑھی لکھی۔ اچھے خاندان کی۔ اسے رد کر کے تم ایک غیر لڑکی کو لانا چاہتے ہو اس گھر میں۔''

اماں بڑی بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں۔

تیمور ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا۔ ان کا فرماں بردار ان کا چہیتا۔ آج سے پہلے کبھی ان کے کسی حکم کی سرتابی نہ کی تھی۔ ان کی ہاں کو ہاں اور ان کی ناں کو ناں تسلیم کیا تھا۔ اس کی فرماں برداری پر تو انہیں فخر تھا اور آج پہلی بار وہ اپنی خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔ ان سے بھیک مانگنے کی طرح اپنا جائز حق مانگ رہا تھا ان کا دل پسیج رہا تھا۔ اگر ثمن کا معاملہ نہ ہوتا تو

وہ جھٹ پٹ خوشی خوشی اس کے ساتھ شہلا کے گھر دوڑ پڑتیں۔

''مگر اب ثمن کا معاملہ تھا گو کہ انہوں نے کبھی بھائی بھاوج سے اس خواہش کا اظہار تو نہ کیا تھا مگر دل ہی دل میں ثمن کو بہو کا روپ دے بیٹھی تھیں۔

مگر اب تیمور نے ان کا تصور بکھیر دیا تھا۔ وہ ایک خواب جو مسلسل دیکھتی آ رہی تھیں، ایک چھناکے سے توڑ ڈالا تھا۔ انہوں نے بڑی رنجیدگی سے بیٹے کو دیکھا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''تم ایک بار پھر سوچ لو تیمور! ثمن بہت اچھی لڑکی ہے تمہیں خوش رکھے گی۔''

''یقیناً امی! ثمن بہت بلکہ لاکھوں میں ایک ہوگی۔ مگر یقین کریں میں نے اسے کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں ہے اور اب جبکہ شہلا میرے دل میں ہے میں کیسے ثمن کو دیکھ سکتا ہوں۔'' اس نے اپنی بات کے اختتام پر اماں کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا کر اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر نرمی سے دباتے ہوئے کہا۔

''میں گستاخ نہیں ہوں امی جان۔ آپ کا ہر فیصلہ سر آنکھوں پر۔ مگر میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں بٹ جاؤں گا دو خانوں میں، خود اپنی نظروں میں گر جاؤں گا، میرا وجود ثمن کے پاس ہوگا مگر میرا دل، میری روح میرا ذہن شہلا کے پاس، میری نظریں ثمن پر ہوں گی مگر میرے دھیان کے سب راستوں پر شہلا بیٹھی ہوگی۔ نہیں امی! اتنی مشکل، صبر آزما اذیت ناک زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میں تنہا ہی رہوں۔'' وہ اٹھنے لگا تھا کہ اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے سوچنے دو تیمور! تم نے برسوں میں کبھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ میں بھلا تمہیں کیسے مایوس کر سکتی ہوں۔ بس کچھ دن ٹھہر جاؤ۔'' انہوں نے یہ کہہ کر گہری سانس بھری پھر صوفے سے کھڑی ہوگئیں۔

تیمور کا چہرہ یوں دمک اٹھا جیسے کسی نے بجھتے ہوئے دیئے میں یک دم ڈھیر سارا تیل انڈیل دیا ہو جب کہ وہ رات ثمرہ کے لئے بے حد بھاری تھی۔ اسے شدید قسم کا ذہنی دھچکا لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ثمن کے علاوہ اس کی بھابی بن کر کوئی اور لڑکی بھی آ سکتی ہے۔

''بھلا ایسا کیا ہے اس لڑکی میں جس کے لئے تیمور نے ثمن جیسی حسین لڑکی کو رد کیا ہے۔''

یک دم تجسس کی ایک لہر اندر سے اٹھی۔ اسے اس اجنبی لڑکی کو دیکھنے کی تڑپ ہوئی۔ پتا نہیں کیوں اسے یقین تھا کہ وہ ثمن کے مقابلے میں کم ہوگی۔ اور اس کا یہ یقین سو فیصد درست نکلا۔

تیمور کے آفس جاتے ہی اس نے اس کے کمرے میں چھان پھٹک کی تو اسے بریف کیس سے تصویر مل گئی۔ وہ تصویر دیکھ کر حیرت سے گنگ رہ گئی۔ اسے یقین تو تھا کہ وہ ثمن سے کم شکل کی ہوگی مگر اس قدر عام سی صورت ہونے کا اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

اماں کی آواز پر اس نے جلدی سے بریف کیس بند کیا اور تصویر لئے کمرے سے باہر نکل آئی اور تصویر اپنے کالج بیگ میں رکھ دی۔

''آج تم کالج نہیں گئیں۔'' وہ کچن میں آئی تو اماں بولیں۔

''نہیں، سر کچھ بھاری بھاری سا ہو رہا ہے۔''

اس نے یہ کہہ کر چائے کی کیتلی اٹھا کر چولہے پر رکھی۔ ''امی میں ماموں کی طرف جاؤں گی۔ ثمن نے بھی چھٹی کی ہے۔ ہم دونوں مل کر اپنا جرنل پورا کر لیں گے۔'' وہ ان سے نظریں چرا کر کیبنٹ سے مگ نکالتے ہوئے بولی اور دزدیدہ نگاہوں سے اماں کو دیکھا جن کا تیزی سے حرکت کرتا ہاتھ ذرا دیر کو رکا تھا۔ پھر انہوں نے دوبارہ پیاز کاٹتے ہوئے

سر ہلا دیا۔

اس کا دل چاہا وہ اماں کو پکڑ کر جھنجوڑ دے اور کہے۔ ''خدا کے لئے امی! ثمن پر یہ ظلم مت کریں۔ شہلا بالکل بھی اس قابل نہیں ہے کہ اسے ثمن پر فوقیت دی جائے۔ تیمور بھائی کی تو آنکھوں پر پٹی چڑھ گئی ہے۔ جانے اس چڑیل نے کیا منتر پڑھ کر پھونکا ہے اس پر۔'' مگر وہ بے بسی سے خاموشی سے چائے کا مگ بھر کر کچن سے باہر نکل آئی۔ اس اجنبی' ان دیکھی لڑکی سے اسے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

شام کو وہ ثمن کے کمرے میں اس کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھی تھی اور ثمن کیسٹ پلیئر میں اپنی پسند کی کیسٹ ریوائنڈ کر رہی تھی جب اس نے اپنے بیگ سے وہ تصویر نکالی اور اس کے آگے ڈال دی۔

''تم اور میں یہی سمجھتے رہے آج تک کہ تیمور بھائی بالکل بے حس ہیں ان کے اندر محبت کرنے اور محبت محسوس کرنے کی حس ہی نہیں ہے۔ مگر آج ان کی بے حسی تم سے لاتعلقی اور بیگانگی کا سبب بھی مل گیا ہے۔ یہ ہے وہ سبب' وہ بے حس نہیں ہیں۔''

ثمن اچھل کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس کی سیاہ ریشمی زلفیں ادھر ادھر بکھر گئیں اور سیاہ زلفوں کے ہالے میں اس کا چہرہ بالکل ساکت کسی مجسمے کا چہرہ دکھائی دینے لگا۔ بس وہ آنکھیں اٹھا کر ثمرہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''یہ ہے وہ لڑکی جس سے وہ شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر ثمرہ نے نگاہیں جھکا لیں اور ہونٹ کاٹنے لگی۔

ثمن نے لرزتی انگلیوں سے اپنے سامنے پڑی تصویر اٹھائی مگر جوں ہی تصویر پر نگاہ پڑی ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ اس نے ثمن کو ابرو اچکا کر دیکھا پھر دوبارہ اس تصویر کو دیکھتے ہوئے استہزائیہ ہنسی۔

"مجھے بے وقوف بنانے کیلئے کم از کم حسین نہ سہی کم حسین لڑکی کی ہی تصویر ڈھونڈ کر لے آتیں۔ کیا اس سے میں ڈر جاؤں گی۔ اونہہ شادی کر رہا ہے تیمور اس سے۔"

اس نے تصویر پر انگلیاں ماریں ثمرہ نے دل گرفتگی سے اسے دیکھا۔

"یہ مذاق نہیں ہے ثمن۔" اس نے کرب کی انتہا میں ڈوب کر ہلکے سے چیخ کر کہا۔ "یہ حقیقت ہے میں نے یہ تصویر ان کے بریف کیس سے نکالی ہے۔ شہلا نام ہے ......"

"کم آن ثمرہ۔ اس...... اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تیمور۔ کیا پاگل ہو گیا ہے وہ۔"

"پاگل ہی تو ہو رہے ہیں۔" ثمرہ کی سانس دھیرے سے خارج ہوگئی۔

ثمن کے چہرے پر لمحہ بھر کو تاریک سایا سا گزر گیا۔ ثمرہ کا لہجہ اس کے اعصاب تھرانے لگا۔

اس کی نظریں تصویر پر جم گئیں۔ پھر وہ یکایک بے اختیار ہنس پڑی۔

"میں ہرگز یقین نہیں کر سکتی کہ تمہارے بھائی کا ٹیسٹ اس قدر بُرا ہو سکتا ہے۔ نہیں میں نہیں مان سکتی اور اس...... اس شکل کو مجھ پر فوقیت دے گا کیا ہے اس میں دیکھو...... دیکھو ذرا۔ ایسے ایسے چہرے بھی بھلا دلوں کو تسخیر کر سکتے ہیں۔ کسی کو اپنا دیوانہ بنا سکتے ہیں۔ اوہ نو۔ ہاؤ فن۔" وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔ ہنستے ہنستے یکایک اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ ثمرہ رنج سے اسے دیکھنے لگی پھر اس نے دیکھا ثمن نے دراز کھول کر سیاہ رنگ کا مارکر نکالا اور تصویر پر پھیرنے لگی۔

"ک...... کیا کر رہی ہو ثمن؟ یہ تصویر تو۔"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ پہلے بھی ایسی ہی نظر آتی تھی اب بھی وہی رہے گی

دیکھو۔" اس نے تصویر اٹھا کر ثمرہ کے سامنے کر دی موٹے سیاہ اسپرٹ مارکر سے لکیریں تصویر کے چہرے پر ادھر ادھر کھینچی ہوئی تھیں۔

"بھلا یہ مارکر اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے جب تقدیر اسے سنوار رہی ہے۔ ہاں تقدیر۔"

اس نے تصویر پھینکی اور پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

"ثمن۔" ثمرہ اس سے لپٹ گئی۔ "یوں مت رو ثمن۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں اور امی ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔"

ثمرہ کا لہجہ بڑا کمزور سا تھا یوں جیسے سایا روشنی سے لرزتا ہوا محسوس ہو۔ چونکہ اسے اپنے الفاظ کی کم مائیگی کا احساس تھا۔ اپنے کمزور ہونے کا احساس تھا۔ پھر وہ خود بھی رو پڑی۔

ثمن کی حالت اب ثمرہ سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس نے کالج جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ممانی الگ پریشان تھیں۔ وہ ثمرہ سے پوچھتیں کہ یکایک ثمن کو کیا ہو گیا ہے۔ اور ثمرہ انہیں بہانے سے ٹال دیتی۔

ادھر تیمور کے علم میں ثمن کی یہ شدتیں آئیں تو اسے اچھا خاصا غصہ آ گیا۔

"میں نے اس سے کسی قسم کے وعدے وعید نہیں کیے ہیں نہ اس کی کبھی پذیرائی کی ہے۔ بلکہ میں تو اس سے باتیں بھی ایک فاصلے سے کرتا رہا ہوں۔ اب یہ اس کی خود ساختہ پریشانیاں ہیں۔ آپ ممانی جان سے کہیے کہ اس کی کسی اچھی جگہ شادی کر دیں۔ وہ رفتہ رفتہ معمول پر آ جائے گی۔"

اس نے اماں جان کو مزید اس کی حمایت سے روکتے ہوئے ساتھ مشورے سے بھی نواز دیا۔

اماں جان چپ سی ہو کر رہ گئیں مگر ثمرہ نے ہمت نہ ہاری اور ایک کوشش خود کرتے ہوئے رات اس کے پاس آئی اور اسے الجھنے لگی تو وہ غصے سے باہر ہی ہو گیا۔

''تم لوگ سمجھتے کیا ہو آخر۔ کیوں مجھے الزام دے رہے ہو۔ کب میں نے اسے آس دلائی تھی۔ اس سے عہد و پیمان باندھے تھے کب اسے کوئی اشارہ دیا تھا۔'' اس نے بری طرح غصے سے ثمرہ کو گھورا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے دل گرفتگی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔

تیمور نے خود کو کرسی پر گرا لیا اور دھیمے لہجے میں بولا۔

''دیکھو ثمرہ! شادی بیاہ کوئی جبر کا سودا نہیں ہے۔ میرے پاس اس کو دینے کو کچھ نہیں ہے۔ اول تو میں قربانی دینے کا قائل نہیں ہوں بالفرض محال کر بھی لیا تو اسے کوئی خوشی نہیں دے سکوں گا۔ بلکہ خود بھی بے سکون رہوں گا۔''

''مگر...... مگر وہ تو اتنی عام سی لڑکی ہے آپ کو کیا نظر آیا ہے اس میں۔ ثمن کے مقابلے میں تو وہ۔'' وہ دوسرا حربہ آزمانے لگی۔ وہ اس وقت ثمن کی زبردست حمایتی دکھائی دے رہی تھی۔ تیمور نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا پھر دھیرے سے مسکرانے لگا۔

''جانتا ہوں یہ تمہاری نہیں ثمن کی زبان بول رہی ہے تمہارے منہ میں۔'' اس کے لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ اور کشادہ ہو گئی۔ ''اسے اپنے حسن اور ناز و ادا پر بڑا زعم رہا ہے۔ میں نادان یا کم سن نہیں ہوں۔ مرد ہوں ثمرہ۔ عورت کی ہر نظر سمجھتا ہوں۔ اس کی وارفتگیاں' اس کی نظر و ادا کے تیر۔''

وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔ ثمرہ نے چہرہ جھکا لیا۔

''بہت سطحی سی لڑکی ہے ثمن! اس میں اور شہلا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے گردن اٹھا کر ثمرہ کو دیکھا۔

''حسن کیا ہر مرد کی کمزوری ہوتا ہے۔ حسن وہی نہیں جو دکھائی دے۔ حسن وہ بھی

ہے جو محسوس ہو۔ اور میرے نزدیک محسوس کیا جانے والا حسن ہی پائیدار ہوتا ہے۔ اگر شکلوں' صورتوں سے محبتیں کی جاتیں تو دنیا کا ہر مرد مغرب کی طرف ہی دوڑتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ محبت تو جنت سے اترا ہوا جذبہ ہے۔ بہت اعلیٰ اور ارفع۔ یہ شکل' صورت' دولت' امارت سے بے نیاز ہے۔ جاؤ اور اسے سمجھاؤ کہ وہ یہ بچکانہ حرکتیں بند کر دے اور اپنی پڑھائی پر توجہ دے اور جہاں ممانی جان اس کا رشتہ کر دیں وہاں سر جھکا دے۔ عورت کا وقار فرماں برداری میں ہے نہ کہ باغیانہ پن میں۔'' اس نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔ اور کرسی سے اٹھ کر دراز سے فائلیں نکال کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ثمرہ کو ہنوز اپنی جگہ کھڑے دیکھا تو بولا۔

''جاتے جاتے دروازہ اچھی طرح بند کر کے جانا۔''

ثمرہ نے بے چارگی سے بھائی کا چہرہ دیکھا اور ناچار پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ جاتے جاتے اس کی تاکید پر عمل کرتے ہوئے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا پھر بند دروازے پر ایک پرملال نگاہ ڈال کر وہاں سے ہٹ آئی۔

''ثمن! تیمور بھائی اپنے دل کا دروازہ بہت سختی سے بند کر چکے ہیں تمہارے لئے اس میں خفیف سی دراڑ بھی نہیں ہے۔'' وہ ثمن سے کہہ رہی تھی۔ کہ اب اسے ہر طرح سے سمجھانا بجھانا ہی تھا۔ ''خود کو ہلکان مت کرو۔ بھول جاؤ انہیں۔ نکال دو انہیں دل سے کہ کبھی جیسے وہ تمہارے دل میں اترے ہی نہ تھے۔''

''ثمرہ! اگر شہلا تیمور کی زندگی میں نہ آتی تو' میری ہی جگہ تھی نا۔'' وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے سلگتے لہجے میں بولی۔ ثمرہ اسے بس دیکھ کر رہ گئی۔ اس کے اندر دو دھارے چلنے لگے تھے ایک دھارا اس نفرت کا تھا جو شہلا نامی لڑکی کے خلاف پیدا ہو چکا تھا اور دوسرا دھارا ثمن سے محبت' دوستی کا تھا۔ اس کی تڑپ اسے تڑپا رہی تھی۔ اس کی نا

آسودگی لاحاصلی اسے رلا رہی تھی۔

نفرت بہت تیزی سے غیر محسوس طریقے سے ہمارے اندر جڑ پکڑنے لگتی ہے اور یہ تو ایسی شے ہے جس کا رخ ہمیں کہیں بھی گرا سکتا ہے' اس لمحے ان دونوں کے دل میں اس اجنبی لڑکی کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی تھی اور بہت تیزی سے جڑ پکڑتی جا رہی تھی۔

اور جب وہ اجنبی لڑکی ایک خوب صورت رشتے میں بندھ کر ''تیمور ولا'' میں اتری تو ثمرہ کے اندر اس کے خلاف نفرت کا ایک تناور درخت اگ آیا تھا۔

اس نے بڑے رسمی انداز میں ساری رسموں میں شرکت کی۔ ثمن بھی بحالت مجبوری شریک رہی۔ اس کا چہرہ قدم قدم پر تاریک پڑتا رہا۔ قدم قدم پر بے چارگی آمیز کرب' نفرت بن کر رگوں میں دوڑتا رہا۔ وہ خاندان کی دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر بس ثمرہ کے ساتھ ساتھ رہی۔

مبارک دینے بھی وہ اسٹیج پر مجبوراً ہی آئی تھی۔ فان کلر کے راجستھانی سوٹ میں دلہن مووی اور کیمروں اور ساتھ لڑکیوں کی ہنسی مذاق کی زد میں بیٹھی پر اعتماد مطمئن اور شاد نظر آ رہی تھی۔

یقیناً یہ اعتماد' یہ طمانیت قریب بیٹھے تیمور کا دیا ہوا تھا جو اس کا مکمل نگہبان اور حامی نظر آ رہا تھا۔

''آپ کی دلہن تو آج واقعی لاجواب نظر آ رہی ہے تیمور بھائی۔'' وہ اپنا کامدانی دوپٹا شانے پر ڈال کر اس کی طرف چلی آئی۔

تیمور نے اسے ایک نظر دیکھا اور مسکرا دیا۔ ''لگتا ہے کسی مہنگے بیوٹی پارلر سے تیار ہوئی ہیں۔ ہاں ظاہر ہے عام سی صورت سے ہی تو یہ پارلر چلتے ہیں۔ یہ دن تو یوں بھی اہم ہوتا ہے اب اس میں بھی بندہ بدصورت لگے تو۔''

تیمور مووی والے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ دانستہ اس نے اس کے جملے کو نظر انداز کر دیا تھا مگر دلہن بنی شہلا کے دل پر تیر چل گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اس تیر چلانے والی کی طرف دیکھا اور جیسے لحظہ بھر دیکھتی رہی۔ گولڈن اور سیاہ امتزاج کے پاجامہ سوٹ اور بڑے سے کامدانی ٹشو کے دوپٹا میں وہ بلاشبہ ایک دل آویز اور حسین لڑکی تھی۔ گوری رنگت پر ہلکا ہلکا گولڈن براؤن میک اپ اور کھلے بالوں کے ہمراہ۔ وہ لڑکی اپنی کٹیلی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ثمرہ کھڑی تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اور دبی دبی ہنسی ہنستے ہوئے۔

''ثمرہ! امی کو بلاؤ۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔ تم لوگوں کی تو رسمیں ہی ختم نہیں ہو رہی ہیں۔''

تیمور یک دم ثمرہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا تو اسٹیج پر موجود شریر لڑکیاں ''اوئے ہوئے'' کر کے ہنسنے لگیں اور جملے کسنے لگیں۔

''دولہا بھائی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے' دلہن آپ ہی کی ہے بے فکر رہیے۔''

''ابھی تو تین چار گھنٹے اور لگ جائیں گے۔''

''نہ...... نہ...... بھئی اتنا ظلم مت کرنا بے چاری دلہن کا میک اپ تو سارا بہہ جائے گا۔ اب اصلی صورت نکلنے سے پہلے رخصتی ہو جائے تو اچھا ہے۔''

ثمن کسی کے جملے کے جواب میں بولی تھی۔

''ثمرہ! میں نے تم سے کچھ کہا ہے۔'' تیمور بھینچے ہوئے لب کھول کر ہلکی آواز میں ڈپٹ کر بولا تو ثمرہ جلدی سے اسٹیج سے نیچے اتر گئی۔

ثمن کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر آئی۔ اس نے ابرو چڑھا کر تیمور کے چہرے کا جائزہ لیا جو اس کے جملے پر انتہائی برافروختہ ہو گیا تھا۔ جیسے بحالت مجبوری برداشت کر گیا ہو۔ جب

کہ وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ دلہن کی طرف جھکتے ہوئے اپنا گداز خوب صورت ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا۔اب انشاءاللہ دو دن بعد ملاقات ہوگی۔'' اس نے اپنا سجا سنورا ہاتھ یوں پیش کیا جیسے کوئی خوب صورت چیز سراہنے کے لئے پیش کی جائے۔ بلاشبہ وہ ہاتھ نظر بھر کر دیکھنے کے قابل تھا مگر شہلا نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ تھام کر ہلکے سے چھو کر چھوڑ دیا۔

شادی ولیمہ کے بعد کچھ دن تو تیمور اور شہلا دعوتیں اٹینڈ کرتے رہے۔ پھر کہیں جا کر فراغت کے لمحے میسر آئے تو ممانی جان دعوت دینے چلی آئیں مگر تیمور نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ابھی تو فراغت ملی ہے۔ اب کاروبار بھی توجہ مانگتا ہے۔ کچھ ہفتوں کے بعد ہم دونوں خود آ جائیں گے۔''

تیمور کے اس انکار پر اماں جان ذرا سا حیران ہوئیں تاہم بولیں کچھ نہیں۔ ثمرہ کو بھی برا لگا تھا۔ خاندان بھر کی دعوتیں کھالیں۔ ثمن کے گھر ہی کیوں انکار کر دیا۔ یقیناً بھابی ''شہلا'' نے بھی روکا ہوگا۔ رات ثمن خود چلی آئی۔

''ہمارے گھر کا کھانا اتنا برا نہیں پکتا تیمور صاحب کہ آپ یوں دامن بچا گئے۔ زہر تو نہیں کھلا دیتی میں۔'' وہ بظاہر ہنستے ہوئے بولی تھی مگر اس کے لہجے میں آئی آنچ تیمور کے ساتھ شہلا بھی محسوس کیے بنا نہ رہ سکی۔ مگر سر اٹھانے کی بجائے اماں کے تخت پر چڑھی اماں کے ساتھ کروشیا کا دھاگا سلجھاتی رہی۔

تیمور ریموٹ سے ٹی وی بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کیا بھروسا تمہارا۔ زہر کھلا بھی دیتیں۔'' بظاہر اس نے بھی خوش دلی کے تاثر کے ساتھ ہی کہا تھا مگر جملہ اس کے دل پر لگا۔ وہ اٹھ گئی اور کچن کی طرف بڑھنے سے پہلے ذرا سا رک کر بولی۔

''آج سے پہلے کبھی کھلایا ہے۔''

''آج سے پہلے کبھی یوں دعوت ہی نہیں دی بصد اصرار۔'' وہ بھی اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا تھا۔ وہ کچھ برا مانتے ہوئے بولی۔

''یہ تو آپ کا خیال ہے ورنہ ہمارے گھر کے دروازے تو بلکہ ہر طرح کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہی ہیں ہمیشہ سے۔ اب آپ ہی قدم نہ رکھیں یہ آپ کی مرضی۔''

تیمور بری طرح شپٹا گیا تھا اور یونہی بے اختیار شہلا کی طرف دیکھا مگر وہ بے حد پرسکون اور اپنے اسی اعتماد کے ساتھ بیٹھی مصروف رہی۔ جب کہ اماں جان اس کے جملے کے مفہوم اور لہجے کی آنچ سے بے نیاز بولیں۔

''نہ ثمن، تم دل پر نہ لینا۔ میں نے شہلا کو بھی کہا ہے جوں ہی وہ ذرا فارغ ہوں گے تمہارے گھر آئیں گے۔ بس کئی دنوں سے لگاتار کاروبار کی طرف توجہ بھی نہیں دے سکا ہے نا۔ اسی وجہ سے انکار کر رہا ہے۔'' انہوں نے جیسے تیمور کی طرف سے اس کا دل صاف کرنا چاہا۔ مگر جو تیمور کی طرف سے گدلا ہوا تھا وہ بھلا اماں جان کی کوششوں سے کیسے صاف ہو سکتا تھا۔ وہ بس ایک استہزا آمیز مسکراہٹ اچھال کر ثمرہ کے پاس کچن میں چلی آئی۔

ثمرہ سلاد بنا رہی تھی رات کے کھانے کے لئے وہ کھیرے کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے ناگواری سے بولی۔

''یہ سارا سارا دن تم کام میں مصروف رہتی ہو۔ وہ مہارانی کس مرض کی دوا ہے؟''

''وہ مہارانی بھائی کی ہی نہیں امی کی بھی منظور نظر بن کر رہ گئی ہے۔ سو ابھی اس کا دلہناپا ختم نہیں ہوا ہے بقول اماں جان کے۔'' وہ اس سے بھی زہر بھرے لہجے میں بولی۔ اور

صاف جھوٹ بول گئی۔

حالانکہ شبلا نے نہایت خوش اسلوبی سے باورچی خانہ سنبھال لیا تھا۔ اماں لاکھ منع کرتی رہ جاتیں کہ ابھی تمہارے کام کاج کے دن نہیں ہیں۔ مگر وہ کب مانتی تھی۔

"عورت بنا کام کاج کے بیٹھی ہوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگتی اماں جان! اور مجھے کون سا پہاڑ توڑنے ہیں۔ بس یہ چھوٹے موٹے کام ہی تو ہیں۔"

اماں جان تو اس کی ہر ہر ادا پر نثار جاتیں۔ وہ اماں کے پاس فارغ وقت میں بیٹھی ان سے ان کی باتیں سنتی۔ ان کے چھوٹے موٹے کام کر دیتی۔ گھر کی ملازمہ جنت بی بی اس کے گن گاتے نہ تھکتیں وہ عام سے چہرے والی اپنے اندر ایک سحر رکھتی تھی یہ سحر اس کا ہمدرد دل، مخلصانہ اور محبت آمیز رویہ تھا۔ دھیمی پرسکون پر اعتماد مسکراہٹیں، نظر انداز کرنے کی عادتیں تھیں۔

ثمن ڈھونڈتی رہ جاتی کہ وہ کون سا سحر ہے جس نے پورے گھر بھر اور خاندان کی عورتوں کو بھی اس کا اسیر کر ڈالا ہے۔ جسے دیکھو تیمور کی بیوی کے گن گائے جا رہا ہے۔ بس ثمرہ ہی تھی جو اس سے کھنچی کھنچی رہتی۔ بلکہ کبھی کبھی تو نفرت کا کھلا اظہار کر ڈالتی۔ ثمن جملے بازی کرتی تو اس کا ساتھ دے کر خوب ہنستی۔

اس کا طرز عمل اماں جان کو بہت کھلتا۔ ایک روز انہوں نے اس کی خوب خبر لے ڈالی۔

"شرم کرو ثمرہ! کس بات کا انتقام لیتی رہتی ہو تم اس بچی سے۔ ثمن تو پرائی لڑکی ہے میں اسے کچھ کہہ کر اس کا دل خراب نہیں کرنا چاہتی مگر تم تو اس گھر کی ہو۔ بھابی ہے وہ تمہاری، تمہارے چہیتے بھائی کی بیوی۔ کچھ تو لحاظ کرو۔ وہ اگر تمہیں جواباً کچھ نہیں کہتی تو یہ اس کی بڑائی ہے ورنہ وہ پورا حق رکھتی ہے تمہیں اس لب و لہجے میں جواب دینے کا۔ اور

تیمور بھی چھوٹی بہن سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔"

"آپ ہی پوجا کیجئے اس ڈائن کی۔ میں تو اپنا مزاج اس کے لئے نہیں بدل سکتی۔" وہ پیر پٹخ کر وہاں سے ہٹ گئی۔ اماں تاسف سے گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

رشتے تو آسمان پر طے ہوتے ہیں ثمرہ! اس میں کسی کا کیا دوش۔ تیمور اور شبلا کا جوڑ بھی اللہ نے بنایا ہے۔ اور اب اس پر مسلسل ناخوشی کا اظہار کرتے رہنا اللہ کے فیصلے سے سرکشی، اس کی نافرمانی اور اس پر تنقید کرنا ہوا۔ اللہ تمہیں سمجھ عطا کرے۔

انہوں نے صدق دل سے بیٹی کے لئے ہدایت مانگی مگر جو خود ہدایت نہ پانا چاہے اسے کیوں کر ہدایت مل سکتی ہے۔ اس کے اندر تو نفرت کی خودرو جھاڑیوں کا جنگل اگتا جا رہا تھا جو روز بروز گھنا جنگل ہوتا جا رہا تھا۔

شبلا کبھی کبھی حیران ہو جاتی کہ آخر اس نے ثمرہ کا ایسا کون سا نقصان کر ڈالا ہے۔ جو وہ اس سے اتنی متنفر ہے۔ اس سے کھنچی کھنچی رہتی ہے۔

اس روز وہ بے حد دکھی ہوئی جب ایک بیٹے کو جنم دینے کے باوجود اس کی خوشی کو ثمرہ نے ملیامیٹ کر دیا۔

"اوف... اس قدر بدصورت بچہ۔ ہمارے خاندان کی سات پشتوں میں پیدا نہیں ہوا ہوگا۔ ہے نا امی!"

وہ کارٹ میں سوئے بچے کو دیکھ کر حقارت سے بولی تھی تیمور تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا مگر اماں نے اسے خوب سنا دیں۔

"ایسے کون سے حسین بستے ہیں تمہارے خاندان میں کہ یہ اتنا اچھا بھلا تمہیں بدصورت نظر آنے لگا ہے۔ خدا کا خوف کرو ثمرہ۔ اللہ کی بنائی ہوئی صورت پر ہم بھلا کیا حق رکھتے ہیں۔ تنقید کا۔ تم چہرے پر نکلی ایک پھنسی تک تو ٹھیک کر نہیں سکتیں۔ دانت تک بنا نہیں

سکیں۔ اور چلی ہو اس کی بے عیب ذات پر تنقید کرنے۔"

"چھوڑیں اماں! ثمرہ تو یونہی مذاق کر رہی ہے۔" شہلا فوراً درمیان میں بول پڑی۔ وہ ماحول میں پھیلی خوشی اور خوش گواری کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔

پہلے پہلے بچے اور وہ بیٹے کی مسرت تیمور اور اماں کے رگ و پے میں اتری ہوئی تھی۔ وہ بھی خود کو ہلکا پھلکا اور پر مسرت محسوس کر رہی تھی۔

اسپتال سے گھر آئی تو تیمور نے اسے ڈائمنڈ کے ٹوپس دیے۔

"میں تو آپ کو ہیرے جیسا بیٹا نہ دے سکی تیمور۔" وہ کانوں میں پڑیں بالیاں اتار کر ٹوپس پہنتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں شرمندگی سی در آئی۔

تیمور نے بیڈ پر سوئے بچے کو گود میں اٹھا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر بچے کو اس کی گود میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"تم نے ثمرہ کی بات دل پر لے لی ہے۔ میں نے تمہیں کہا نا اس کے منہ میں شمن کی زبان ہے۔ اس کی اپنی نہیں۔ دیکھو اسے غور سے۔ کیا یہ ہیروں، موتیوں سے کم ہے۔" اس نے آنکھیں موندے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ تو شہلا کی نگاہیں بھی اپنے بیٹے پر جم گئیں رگ رگ سے محبت کی لہریں بہنے لگیں۔ اس نے بے اختیار اس کے رخسار چوم لیے۔

"یاد ہے شہلا! جب میں تمہارے پیچھے پھرا کرتا تھا اور تم مجھے ڈانٹ دیا کرتی تھیں۔ میں اپنے آفس میں جانے سے پہلے تمہارے چیمبر میں آ کر جھانکتا تھا اور تم چڑ جاتی تھیں۔ پھر ایک بار زچ ہو کر پوچھا تھا مجھ سے کہ ایسا کیا نظر آ گیا ہے مجھ میں تیمور صاحب آپ کو؟"

تیمور بیڈ کی پشت سے لگ کر اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا، تو شہلا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاں یاد ہے۔ مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اس وقت۔"

"ہاں اس لیے کہ اس وقت جواب جو میرے پاس تھا وہ اگر دے دیتا تو تم خفا ہو جاتیں، کچھ بعید نہ تھا کہ اپنا سینڈل اتار کر میرے سر پر بجا دیتیں۔"

"ایسے ہی۔" وہ آنکھیں پھیلا کر اسے گھورنے لگی۔ پھر بچے کو کارٹ میں ڈال کر ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھا کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا جواب تھا اس وقت آپ کے پاس؟"

اور جواباً تیمور اسے دل آویز نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ اس کی پلکیں رخساروں پر جھک گئیں۔

"تمہارے اندر ایک سحر ہے شہلا۔ ایک طلسم ہے جو میرے دل کو جکڑے ہوئے ہے۔ مجھے لگتا ہے تم مقناطیس ہو اور میں لوہے کا ٹکڑا۔"

"یہی تو پوچھنا چاہتی ہوں کہ ایسا کیا طلسم ہے مجھ میں، میں تو بہت عام سی ہوں۔" وہ سلجھے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر چہرے کے ایک طرف ڈال کر دھیرے دھیرے برش پھیرنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں تیمور؟" اس نے تیمور کی طرف دیکھا جو اس کو توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ دھیرے سے مسکرا دیا اور اس کے ہاتھ سے برش لے کر اس کے بالوں کو بکھیرتے ہوئے بولا۔

"یہی پوچھنا چاہ رہی ہو نا کہ میں نے اتنی حسین جمیل شمن سے شادی کیوں نہیں کی جبکہ وہ بھی مجھے چاہتی تھی۔" "تو بات یہ ہے ڈیر کہ ہر شخص کا معیار حسن مختلف ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہر شخص چاند کا عاشق ہو۔ رات بھر چاندنی میں بیٹھ کر چاند کا نظارہ کرنا اچھا لگتا ہو۔" اس کا لہجہ یک بیک سنجیدگی میں سے ڈھل گیا۔ "میں بڑا پریکٹیکل آدمی ہوں۔ ظاہری حسن

ظاہری حسن نہ میری کمزوری ہے نہ میرا تقاضا۔ میں اپنی شریک حیات میں خوبصورت چہرہ نہیں
چاہتا تھا باطنی خوبیاں۔ جو دیکھ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شہلا کو بڑی نرم نظروں
سے دیکھا پھر اسی سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے بیوی چاہیے تھی۔ شوکیس میں سجانے کے لئے شوپیس نہیں۔ اور بات یہ
ہے شہلا کہ میں نے اپنے ہم سفر کیلئے جو آئیڈیل بنا کر رکھا تھا یا یہ سمجھو کہ میرے ذہن میں جو
آئیڈیل تھا اس پر تم پوری اتریں۔ اسے تم ذہنی ہم آہنگی سمجھ لو دل کا تمہاری طرف کھنچاؤ کہہ لو
یا کچھ بھی۔ یوں بھی دنیا میں حسین چہروں کی کمی نہیں ہے ہاں باطنی خوب صورتیاں فطرت
کے اندر سے بہت تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ ظاہری حسن آنکھ کو وقتی طور پر متاثر کرتا
ہے مگر باطنی حسن دل کو اسیر کر ڈالتا ہے۔"

شہلا کو اپنے اندر بہت سبک سویرے اترتے محسوس ہونے لگے۔ وہ اپنے رب
کے حضور جتنی بار بھی سجدہ ریز ہوتی کم تھا۔ اس نے سوچا کہ "پتا نہیں مجھ میں کیا خوبیاں ہیں
بس اس کے شریک حیات کی نگاہوں اور دل میں اس کے لئے محبت کی جو جوت جل رہی تھی
وہ اس رب کریم کی عنایت ہی تھی۔ میں تو فانی۔ عیبوں سے بھری۔ میری بساط ہی کیا تھی کہ
انسان کے دل میں گھر کرنے کی۔

ہاں محبت تو جنت سے اترا ہوا تحفہ ہے جسے چاہے رب کریم بخش دے۔

زندگی بڑی خوب صورت ہو گئی تھی۔ ہاں کبھی کبھی اس میں ثمرہ یا ثمن کی نفرت
کے آتشیں چھینٹے پڑتے تو وقتی طور پر ایک ملول سی چادر تن جاتی دل کی فضا پر مگر اسے تیمور اور
اماں جان کی محبت، حمایت حاصل تھی۔ ان کی محبتوں سے دامن اتنا بھرا ہوا تھا کہ وہ ثمرہ کو
ہمیشہ چھوٹی بہن سمجھ کر معاف کرتی رہی۔ اور ثمن کے تضحیک آمیز جملوں کو خاموشی سے

برداشت کر جاتی کہ بدلے میں اسے اتنی نعمتیں جو مل جاتی تھیں۔

ثمرہ ثمر سے یوں دور بھاگتی جیسے وہ چھوت ہو۔ کوئی بلا ہو اس سے چپٹ جائے
گی۔ چلتے پھرتے اس کی سانولی رنگت پر چوٹ کرتی۔ الٹے سیدھے نام رکھتی اماں کی ڈانٹ
ڈپٹ کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

انہی دنوں جب زندگی اپنی ڈگر پر چل رہی تھی۔ شہلا پھر "امید" سے تھی۔ کہ ایک
دن اچانک تیمور کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملی۔ اس کے دوست نے ہی فون کر کے اطلاع دی تھی
وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس خبر پر بدحواسی میں اس کا پاؤں رپٹ گیا وہ تیورا کر سیڑھیوں
سے پھسلتی چلی گئی۔

اماں اور ثمرہ بھاگ کر آئیں مگر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ادھر تیمور کے ایکسیڈنٹ
کی خبر اور دوسری اس کی یہ حالت دیکھ کر اماں تو ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھیں۔ ثمرہ نے جلدی سے
ڈرائیور کو آواز دی اور ملازمہ کے ساتھ شہلا کو گاڑی میں ڈالا۔

تیمور کا ایکسیڈنٹ اتنا شدید نہیں تھا ہلکے زخم آئے تھے اسے فرسٹ ایڈ دے کر اس
کا دوست گھر چھوڑنے آ رہا تھا تو ملازمہ سے شہلا کے سیڑھیوں سے پھسلنے کی اطلاع پا کر وہ
پریشان ہو کر وہیں اسپتال دوڑ گیا۔

اماں تو اسے خیر و عافیت میں دیکھ کر پہلے خوش ہوئیں پھر دھاڑیں مار مار کر رونے
لگیں۔

"تیمور! ڈاکٹر کہہ رہے ہیں شہلا کا ہوش میں آنا ضروری ہے۔ اندرونی چوٹ لگی
ہے اور... اور بچہ بھی ضائع ہو گیا ہے۔"

انہوں نے بیٹے سے لپٹ کر روتے ہوئے اسے اتنے نقصانات کی خبر دی۔ وہ یونہی
دم سادھے کھڑا رہ گیا۔ اس میں اماں کے لرزتے وجود کو تھام کر سہارا دینے کا بھی یارا نہ تھا۔

"مجھے کئی روز سے بڑے بڑے برے برے خواب آ رہے تھے تیمور میرا دل ...
بچے کی طرح ہر وقت لرزتا رہتا تھا۔"

اس نے سر جھکا کر اماں کو دیکھا۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھے بچوں کی طرح بلک بلک کر رہی تھیں۔ اس کے ذہن کی سطح پر جیسے بڑی زوردار ضرب پڑی تھی۔

اسے یاد آیا۔ شہلا کئی روز سے وہموں کا شکار رہنے لگی تھی۔ ہر وقت ... اندیشے میں گھری رہتی تھی۔

"مجھے ڈر لگتا ہے تیمور! پتا نہیں کیوں.... میرا بچہ خیریت سے بھی آئے گا نہیں۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔" وہ اسے جھڑک دیتا۔ پھر نرمی سے سمجھاتا، "اچھی اچھی باتیں سوچو۔ وہموں اور خوف کو جتنا سر پر چڑھاؤ گی وہ اتنا تمہیں گھیریں گے۔"

"میں کیا کروں؟ یہ خود ہی مجھے ہر وقت گھیر لیتے ہیں۔ تیمور۔ اگر... مجھے کچھ ہو گیا تو؟"

"شہلا! لیو دس ٹاپک۔" وہ سخت برہم نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ تب ... اتنے زور سے کھلکھلائی کہ وہ ساری ناراضگی بھلا کر خود بھی ہنس دیا تھا پھر اس کا نازک ہاتھ مروڑتے ہوئے بولا تھا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہونے کا۔ جو کچھ ہونا ہے مجھے ہی ہونا ہے۔" پھر ایک آہ بھرتے ہوئے بولا۔

جاں اب کے بچ گئی تو قسم عہد بھی یہ ہے
اب دل لگائیں گے نہ کسی سیم تن کے ساتھ

وہ عمر کی فیڈر اٹھا کر جھولے کی طرف بڑھتے بڑھتے اس طرف دیکھ کر ...

... سے مسکرائی۔

سیاہ چمکتے بالوں کی لٹیں رخساروں پر جھول آئی تھیں۔ دھیمے دھیمے تبسم کے ساتھ وہ اسے دنیا کی حسین ترین عورت نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ عمر کو جھولا دیتے ہوئے شرارت سے اسے چھیڑنے کی غرض سے گنگنانے لگی۔

اب نزع کا عالم ہے مجھ پر تم اپنی محبت واپس لو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے ہم بوجھ اتارا کرتے ہیں

"تیمور! تیمور! ڈاکٹر سے پوچھو۔ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ بھلا۔" اماں اسے جھنجوڑنے لگیں۔

ڈاکٹر کے چہرے پر بکھری مایوسی اماں جان کو ہولانے لگی انہیں تو کچھ سنائی ہی نہ دے رہا تھا ڈاکٹر کیا کہہ رہا تھا۔

اب نزع کا عالم ہے مجھ پر تم اپنی محبت واپس لو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے ہم بوجھ اتارا کرتے ہیں

تیمور کی سماعتوں اور بصارتوں پر دبیز دھند چھا رہی تھی۔ اماں نے نہیں سنا مگر تیمور نے سن لیا تھا کہ ڈاکٹر انہیں ایک ناقابل تلافی نقصان کی خبر سنا گیا تھا۔

موسموں کے اس ملنے اور جدا ہونے میں
جانے دل کا کیا رشتہ ہے
جب اک موسم دوسرے موسم سے ملتے ہیں
جانے کیوں اس دل کے اندر
کہیں دور پر

ایک چھنا کا سا ہوتا ہے
جیسے کچھ شیشے کے برتن
اک وحشی آواز کو سن کر
تم ہاتھوں سے چھوٹ گئے ہوں
چھوٹے سے دو ریت گھروندے
بنتے بنتے ٹوٹ گئے ہوں
بھیگی رات کا سناٹا کیوں
خوف رگوں میں بھرتا ہے
پت جھڑ کی دہلیز پر ٹھہرا
لمحہ کس سے ڈرتا ہے
وہ تو پورے چاند کی شب تھی جب اک تارا ٹوٹا تھا
وہ تو بھری بہار کے دن تھے جب تو مجھ سے بچھڑا تھا

اس صدمے نے گھر کی ساری رونقیں چھین لی تھی۔ تعزیت کیلئے آنے والوں کا ہجوم بھی ختم ہوا تو ویرانی اور شدید ہوگئی۔ تیمور کیلئے تو جیسے ساری کائنات ہی بے رنگ و بو کر رہ گئی تھی۔ وہ پہلے بھی کم گو تھا اب تو جیسے لبوں پر قفل لگ گئے تھے۔

آفس سے آکر کچھ دیر عمر کے پاس بیٹھا رہتا۔ اسے خاموشی سے تکتا رہتا۔ اس میں شہلا کا عکس ڈھونڈتا رہتا پھر یک دم گھبرا کر اسے اماں جان کے حوالے کر کے خود کمرے میں بند ہو جاتا۔

اور اماں اس کی اس حالت پر روتی رہتیں۔

''میرے بچے کی خوشیوں کو جانے کس کی نظر لگ گئی۔ اس کی ہنستی بستی زندگی کو

روگ لگ گیا۔''

''یہ سب شہلا بھابی کی وجہ سے ہوا ہے اماں۔'' ثمرہ کبھی کبھی دل کا پھپھولا پھوڑ جاتی۔ ''نہ وہ اس گھر میں آتیں نہ وقتی خوشیوں کے بعد ایسا اندوہناک غم تیمور بھائی کی زندگی میں آکر ٹھہر جاتا۔ روگی ہو گئے ہیں وہ تو۔''

''خدا کا خوف کر ثمرہ! زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے وہ کوئی اپنی خوشی سے مری ہے۔ کیا اس نے ہنستی مسکراتی زندگی کے خواب نہ دیکھے ہوں گے۔ عمر کو اپنی آنکھوں کے سامنے جوان ہوتے دیکھنے کی اس کی خواہش نہ رہی ہوگی۔ بس اللہ کو جو منظور تھا۔''

''اونہہ۔'' وہ جھنجلا کر وہاں سے اٹھ جاتی۔ دراصل دل اس کا بھی دکھتا تھا تیمور کو دیکھ دیکھ کر۔ اور وہ اپنے سارے آنسو ثمن کے پاس جا کر بہاتی تھی شہلا کے خلاف جی بھر کر بھڑاس بھی اس کے سامنے نکالتی تھی اور وہ چپ چاپ سنتی کبھی کبھی تائید بھی کر ڈالتی۔

بہر حال... وقت خود ہی مرہم ثابت ہوتا رہا ہے۔ زخم دھیرے دھیرے مندمل ہونے لگے تھے۔ بس' کسک سی تھی جو دل کی تہوں میں رہ گئی تھی۔ جنہیں تیمور تنہائی میں شدت سے محسوس کرتا رہتا۔ مگر اماں کی کوششوں سے یا پھر عمر کی وجہ سے بہل گیا تھا۔ آفس کے بعد سارا وقت بیٹے کیساتھ گزارتا۔ چھٹی کے دن اسے اپنے ساتھ لیے گھومتا۔ اس کی میٹھی میٹھی باتوں سے دل سیراب کرتا۔ اس کی شرارتوں پر ہنستا اور گھنٹوں اماں سے اس کی باتیں کرتا رہتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈھائی سال کا ہو گیا تو وہ اسے اسکول داخل کرانے کی فکر میں پڑ گیا۔ ڈھیر سارے اسکولز دیکھ آیا۔

''اماں! اسے کون سے اسکول میں داخل کراؤں۔'' وہ الجھ کر اماں سے پوچھنے

لگتا۔ اس کے پاس اب سوائے عمر کے اور کوئی موضوع ہی نہ رہ گیا تھا۔ ثمرہ تو چڑ جاتی اسے عمر کے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ تھا بھی وہ شہلا سے ملتا جلتا۔

''منحوس جاتے جاتے اپنا عکس چھوڑ گئی میرے بھائی کی زندگی میں روگ لگانے کو۔''

''ادھر بیٹھو۔ اسکول بھی داخل ہو جائے گا' ابھی کون سا بڑا ہو گیا ہے۔'' اماں اپنے پاس اسے بیٹھنے کو جگہ دے کر بولیں اور عمر کو اپنی تسبیح دے کر ایک طرف بٹھا دیا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''عمر جتنا تمہیں پیارا ہے۔ اتنا مجھے بھی تم پیارے ہو۔ کیا بھول گئے ہو کہ میں بھی تمہاری ماں ہوں۔ تم میرے بیٹے ہو۔ عمر کی طرح ہی پیارے۔ دلارے۔ تمہیں دیکھ دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ تم ہنستے ہو تو میرا دل سیراب ہوتا ہے۔ تمہارا چہرہ مسرور ہوتا ہے تو میری روح شانت ہوتی ہے۔ مگر جب تمہیں اجڑا ویران دیکھتی ہوں تو سینے میں ہوک سی اٹھتی ہے۔

دل دکھ سے شق ہو جاتا ہے' ابھی تمہاری عمر ہنسنے کھیلنے کی ہے۔ پہاڑ سی زندگی پڑی ہے۔ جو یوں نہیں گزارنے کی جس کا تم نے تہیہ کر رکھا ہے۔''

وہ بولتے بولتے رو پڑیں۔ تیمور کا دل ملول ہو گیا۔ اس نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے دبایا۔

''میں بہت خوش ہوں امی! آپ کیوں خود کو پریشان کرتی ہیں۔ یہ دیکھیں میرا پارٹنر میرے ساتھ ہے اور۔''

''نہیں تیمور۔'' اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اولاد کبھی پارٹنر نہیں ہوتی۔ یہ زندگی کی ساتھی نہیں بن سکتی۔ یہ بس نعمتیں ہوتی ہیں۔ خوشیاں ہوتی ہیں' ہمارا مستقبل اس

سے وابستہ ضرور ہوتا ہے۔ ہمارے خواب' ہماری امنگیں ضرور وابستہ ہو سکتی ہیں مگر یہ عمر بھر کا سنگی ساتھی نہیں ہو سکتی۔ زندگی گزارنے کے لئے ایک غم گسار۔ ایک محبت کرنے والے ہم سفر کی ضرورت ہوتی ہے جو قدم قدم پر ہماری تنہائیاں' پریشانیاں ہمارے دکھ سکھ شیئر کرتا ہے۔''

وہ چپ چاپ سر جھکا کر رہ گیا۔ اماں کی بات کچھ غلط بھی نہ تھی۔ لمبی لمبی راتوں میں تنہائی کا احساس کسی عذاب کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ اسے کبھی کبھی ایسے ہی ساتھی کی طلب ہونے لگی تھی۔ جب وہ دن بھر کی تھکن لے کر آئے تو وہ اس کی تھکن سمیٹ لے۔

ایسے کسی نرم ہاتھوں کے لمس کی تمنا جاگنے لگی تھی جو سارا بوجھ اٹھا لے۔

وہ اس سے باتیں کرے۔ ہنسے' روئے اور عمر کے مستقبل کے خواب اس کے ساتھ مل کر دیکھے۔

اس نے وہیں گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ''دشمن اب بھی تمہاری منتظر ہے تیمور!'' اماں اپنا ہاتھ ہولے ہولے اس کے گھنے بالوں میں پھیرنے لگی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اور یک لخت جیسے بوجھ سا روح پر سمٹ آیا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کے باوجود وہ آنکھیں نہ کھول پایا۔ بس دھیرے سے بولا۔

''کیوں کر رہی ہے وہ ایسا؟ بالکل پاگل ہے وہ۔''

''ہاں۔ پاگل ہی تو ہے۔'' فریج میں چیزیں رکھتی ثمرہ کے اندر سے ایک سرد قسم کی آہ نکل گئی۔ وہ بس تیمور کو دیکھ کر دوبارہ کچن میں چلی گئی وہ وہیں خاموشی سے کام کرتے ہوئے ماں بیٹے کی باتیں سن رہی تھی۔

اس نے کتنے رشتے مسترد کر دیئے ہیں۔ اب تو راشدہ (دشمن کی امی) بھی مجھ سے کہہ گئی ہے کہ تیمور مان جائے تو..... چلو تم اس دشمن کی بچکانہ ضد سمجھ لو مگر عمر کے لئے سوچو

اپنے لئے سوچو۔ میں بوڑھی کب تک ساتھ رہوں گی۔ اور ادھر ثمرہ کی بات بھی طے ہو چکی ہے۔ دو سال پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور وہ بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ اور مجھ میں دم نہیں کہ میں گھر بار سنبھال سکوں۔ مجھے بھی آرام چاہیے تیمور! بہو آ جائے گی تو مجھے بھی سہولت ہو جائے گی اور تمہاری زندگی بھی۔"

"اماں!" اس نے آنکھیں کھول دیں۔ جن میں سرخیاں دوڑ رہی تھیں۔ شدتِ کرب سے لب بھینچے وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور دھیرے سے بولا۔

"ایک فیصلہ میرا تھا۔ آپ نے سر آنکھوں پر رکھا۔ اب ایک خواہش آپ کی ہے میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

اس نے ایک گہری سانس بھری وہ بامشکل مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ روح سے خالی تھی۔ اس نے اماں کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیا۔

اماں تو خوشی سے نہال ہو گئیں۔ بے اختیار اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی چوم لی۔ ادھر ثمرہ بھی خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ اور کچن سے نکل کر ثمن کو یہ خوش خبری سنانے فون کی طرف دوڑ پڑی۔

ثمن اس گھر میں آخرکار بہو کے روپ میں ہی آ گئی اور دو سال بعد ثمرہ اس گھر سے وداع ہو گئی۔

ثمرہ کی شادی سے مہینہ بھر پہلے فہد کی پیدائش ہوئی تھی۔

گورے چٹے فہد کو دیکھ کر ثمرہ تو نہال ہو گئی۔

"ہاں یہ ہے میرا اصلی بھتیجا۔" اس نے کہا تو اماں نے اس کی پشت پر ہاتھ جڑ دیا۔

"اصل اور نقلی کیا ہوتا ہے۔"

"اصل یہ کہ ہمارے خاندان کا معلوم ہوتا ہے' خوب گورا چٹا بالکل اپنی امی پر گیا ہے اور مجھ سے بھی ملتا ہے۔ ہے نا۔" وہ اسے گود میں اٹھائے تبصرہ کرنے لگی۔ اور ثمن بیڈ پر سفید چادر میں اوڑھے تفاخر سے بیٹھی دھیرے دھیرے مسکراتی رہی۔

تیمور بھی بیٹے کی ولادت پر خوش نظر آ رہا تھا۔ وہ عمر کی گود میں فہد کو ڈالتے ہوئے بولا۔

"یہ دیکھو پارٹنر۔ تمہارے لیے چھوٹا سا کھلونا آ گیا ہے تم اس سے اب کھیلنا۔"

"ارے واہ۔ میرا بیٹا کھلونا کیوں ہونے لگا۔"

ثمن نے جھٹ سے عمر کی گود سے بیٹے کو کھینچ لیا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

"آپ کا بیٹا ہوگا اس کے لئے کھلونا۔ یہ تو شہزادہ ہے میرا۔" وہ عمر پر ایک نخوت بھری نظر ڈال کر بولی تو تیمور کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ تاہم وہ بولا کچھ نہیں۔

وہ ثمن کی عمر سے نفرت محسوس کر رہا تھا بلکہ اب تو فہد کی پیدائش کے بعد اس کی نفرت شدت سے ظاہر ہونے بھی لگی تھی اور اس میں ثمرہ بھی شامل رہتی تھی۔

وہ جب بھی میکے آتی اس کی تمام تر توجہ کا مرکز فہد ہی ہوتا۔ وہ بھول کر بھی عمر کا نہ پوچھتی نہ اسے پیار کرتی۔ فہد کے لئے ہی چھوٹی موٹی چیزیں لے کر آتی۔

"آج میں احمر کے ساتھ گئی تھی یہ سوئٹر سوٹ پسند آیا میں نے فہد کے لئے لے لیا۔ اس پر یہ رنگ بہت کھلے گا بھی۔ ہے بھی تو شہزادوں جیسا۔" وہ جیسے عمر کو سنانے کو بولتی اور ادھر اماں اس کی اس بچکانہ ذہنیت پر کلس کر رہ جاتیں۔ مگر ثمرہ کے دل رکھنے کے خیال سے اسے اب زیادہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتیں چونکہ ثمرہ کے لگاتار دو بچے ضائع ہو چکے تھے۔ اس کی شادی کو تیسرا سال لگ رہا تھا اور وہ ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔

سو اس وجہ سے تیمور بھی اس کی باتوں کو' اس کا عمر کو نظر انداز کر دینے کا نوٹس نہ

لیتا۔ نہ اسے سرزنش کرتا۔

پھر چوتھے سال ثمرہ کو بڑی خوشی ملی اس نے ایک بڑی موٹی سی بچی کو جنم دیا جس کا نام عینیہ رکھا گیا۔ سب کو ہی یہ بڑی پسند آئی تھی ثمن نے تو جھٹ سے اسے اپنے فہد کے لئے مانگ لیا۔

اماں نے کچھ برا منایا۔

''فہد کیوں؟ عمر بڑا ہے۔''

''نہیں اماں' فہد میرا بیٹا ہے اور یہی میرا داماد بھی بنے گا۔'' ثمرہ بھی ثمن کی حمایتی تھی۔ عمر کے لئے اس کے لہجے میں کوئی محبت' کوئی نرمی نہ تھی۔ اماں چپ سی رہ گئیں۔ وہ کیا کہہ سکتی تھیں۔ نہ بیٹی ان کی تھی نہ بیٹا۔ ہاں وہ ان دونوں عورتوں کی ذہنیت پر دکھی ضرور ہو جاتیں اکثر و بیشتر وہ تیمور سے کہتی رہتیں کہ وہ ثمن پر سختی کرے کہ وہ عمر کا بھی خیال رکھا کرے۔ اسے نظر انداز نہ کرے۔ مگر تیمور کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا تھا کہ وہ ان معاملوں میں خود کو الجھائے۔ اس نے تو جیسے خود کو کاروبار میں گم کر لیا تھا۔ کبھی اماں سختی سے کہتیں تو وہ چڑ کر کہہ دیتا۔

''یہ آپ ہی کی پسند کی بہو ہے۔ جس میں بقول آپ کے ہر خوبی ہے۔ اس نے گھر سنبھال لیا ہے اماں۔ بس یہی چاہتی تھیں نا آپ۔''

اور اماں اسے دل گرفتگی سے دیکھ کر رہ جاتیں۔

زندگی رواں پانی کی طرح گزرتی رہی۔

''دلوں میں محبتیں سمٹ گئیں اور نفرتوں کی خودرو جھاڑیاں اپنی جڑیں پھیلاتی رہیں۔ اور آج اور آج ایک تاریک ویران خوف ناک جنگل نظر آ رہا تھا۔ جس نے عقل سلب کر لی تھی۔ اپنے زیاں اور زوال کے احساس سے بے پروا کر دیا ہے۔ بے حس' تنگ

دل کر دیا ہے۔''

اماں جان کی گہری سانس سینے کی تہہ سے خارج ہوگئی۔ ان کی آنکھوں میں ماضی کے حوالے سے نمی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ادھر ثمرہ کے بہتے آنسو بھی ٹھہر گئے۔ اس نے لاؤنج کے صوفے پر سر ٹکائے ٹکائے اماں کی آواز میں آنسوؤں کی نمی واضح محسوس کی۔ پھر ایک گہری پرملال سانس بھر کر جیسے خود بھی ماضی کی کھائی سے نکل آئی۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ دروازہ کھول کر اس کمرے میں جائے۔ بیٹی سے نظریں ملائے۔ پہلے ہی وہ شرمسار تھی اب تو سارا ماضی اس کے سامنے بھی کھل چکا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگی۔ پھر کسی خیال کے تحت فون کی جانب بڑھیں دوسرے پل وہ عمر کے آفس کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

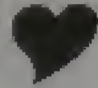

''یس..... عمر اسپیکنگ!'' عمر کی گمبھیر آواز ائرپیس سے ابھری۔

''ہیلو''

''ہیلو پلیز۔'' مسلسل خاموشی پر اس نے ذرا سا چونک کر ریسیور کو دیکھا تب اسے ہلکی سی سانس کی آواز سنائی دی پھر ثمرہ کی آواز ابھری۔

''میں ثمرہ بول رہی ہوں عمر۔'' اس کی آواز اتنی ہلکی تھی جیسے وہ کہیں دور خلاء سے بات کر رہی ہو۔ یہ دھیما انداز ان کی دل شکستگی کی غمازی کر رہا تھا۔

''ہیلو ہیلو، عمر میں ثمرہ بول رہی ہوں۔''

انہوں نے اب کے ذرا اونچی آواز میں کہا مگر دوسری طرف لائن میں گہری خاموشی تھی پھر ریسیور کے رکھنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ گویا عمر نے ان کی آواز سنتے ہی

ریسیور رکھ دیا تھا۔ وہ ان سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بے بسی اور بے چارگی آمیز کرب کے ساتھ وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہ گئی۔ پھر خود بھی ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

عجیب بات تھی سبکی اور اہانت کے احساس کی بجائے بے بسی اور لاچاری محسوس ہونے لگی تھی۔

اضطراب اور تھکن روح پر آبلے کی طرح ٹپکنے لگی تھیں۔ نگاہوں تلے عینیہ کا پھیکا' زرد اور آنسوؤں سے تر چہرہ گھومنے لگا۔

شدت کرب سے انہوں نے آنکھیں موند لیں جیسے درد سے پھٹتے سر کو سنبھالا دینا چاہا ہو۔

اماں جان کے خاموش ہو جانے کے بعد کمرے میں موت کا سا سکوت چھا گیا تھا۔ عینیہ کی نگاہیں چھت پر مرکوز تھیں۔ اس کا ذہن خالی اور کسی حد تک ماؤف ہو رہا تھا۔

اعصاب پر یوں سناٹا طاری تھا جیسے ہوا سے محروم چاند پر ہوتا ہوگا۔

اماں نے اس افسردگی کے سحر میں جکڑے جکڑے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''میں عمر کو سمجھاؤں گی۔ تو فکر نہ کر۔ وہ میری بات ضرور مانے گا۔ وہ منتقم مزاج نہیں ہے۔ اس نے یہ سب کسی انتقام لینے کیلئے نہیں کیا۔ وہ تو یوں بھی ابھی شادی کے لئے راضی ہی نہیں تھا۔ میں ہی اس کے پیچھے پڑی رہتی تھی۔ اب اسے سمجھاؤں گی' بھلا اتنی پیاری لڑکی کے لیے وہ کیسے انکار کرے گا۔''

اس نے شدت کرب سے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں جکڑ لیا اور بھیگی پلکیں موند لیں۔

محبت کوئی خیرات تو نہیں ہے جسے کہ وہ در رو رو کر دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر مانگ لیتیں۔

وہ سکہ تو نہیں ہے جسے کہ کشکول بڑھا کر حاصل کر لیتیں۔

نانو کتنی نادان ہیں۔ اس کی خوش فہمیوں کی تو چادر کا تانکا تانکا ادھڑ چکا تھا۔ اب وہ نئے سرے سے ایسی کوئی چادر بننے کی سکت کہاں رکھتی تھی۔

محض مسکراہٹ کو محبت سمجھ لینا۔

تھامنے والے ہاتھ کو عمر بھر کا سہارا سمجھ لینا۔

لمحوں کی خوش گوار رفاقت کو دائمی سمجھ کر خواب بن لینا۔ ''نری خوش فہمیاں اور نادانیاں ہی تو تھیں اس کی۔ ایمن علوی سچ کہتی تھی۔'' محبت میں جنوں خیزیاں اچھی نہیں ہوتیں۔ طوفان آخر کار طوفان ہی ہوتا ہے اس کی تہہ میں تباہیاں ہی کمتی ہوتی ہیں۔''

''عینیہ میری بچی' اپنی ماں کو معاف کر دینا۔'' اماں جان کی آواز میں آنسوؤں کی یورش تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں' پھر بے اختیار سر نانو کی گود میں ڈال دیا اور بلک اٹھی اور اتنا روئی اتنا روئی کہ بدن کانپنے لگا۔ مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا گیا نانو۔ میں نادان اور کم سن تو نہیں تھی۔ مجھے کیوں نہیں بتایا گیا کہ عمر ثمن آنٹی کے بیٹے نہیں ہیں۔ اور.... اور یہ کہ مجھے بچپن سے فہد سے منسوب رکھا گیا تھا۔'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

''ہاں شاید۔ یہاں ہم سے بڑی غلطیاں سرزد ہو گئیں۔'' اماں جان ایک گہری پر ملول سانس بھر کر رہ گئیں۔ انہیں لگا جیسے ان کے پاس تسلی دینے کے لئے الفاظ ختم ہو چکے ہیں۔ یوں بھی اپنے جملوں اور لفظوں کی کم مائیگی کا احساس ہو تو الفاظ گرفت میں نہیں آتے' لفظ اندر ہی ٹھہر جاتے ہیں۔

دوسرے دن اچانک ایمن آ گئی اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے خاصا شاک لگا۔

"عینیہ! یہ... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟" اسے بخار میں پھنکتا ہوا دیکھ کر [illegible]
نے ثمرہ کی طرف دیکھا جو اسے زبردستی سوپ پلا رہی تھیں۔
"آنٹی! آپ نے مجھے بتایا نہیں' یہ کب سے بیمار ہے؟ خدا خدا کر کے تو یہ [illegible]
سے ابھی تھی پھر لگ گئی۔"
ثمرہ نے لب دانتوں میں دبا لیے اور سوپ کا پیالہ سائیڈ میز پر رکھ کر بیڈ سے اتر کر
پیروں میں سلیپر ڈالتے ہوئے بولیں۔
"اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں تمہیں فون کر کے بتانے ہی والی تھی۔ بیٹھو تم اس کے
پاس شاید اس کا دل بہل جائے۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے بیٹی کی طرف دیکھا جو بڑی
سرد سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی' پھر نگاہوں کا رخ موڑ کر ایمن کو دیکھنے لگی جو اپنا شولڈر
بیگ ایک طرف رکھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔
ثمرہ کمرے سے جاتے جاتے دروازہ بند کر گئی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں۔ کہ وہ اپنے
جی کا غبار اپنی ہمدرد دوست کے سامنے نکال لے۔ اور ایسا ہی ہوا کچھ دیر بعد اس کی سسکیاں
سنائی دینے لگیں۔ وہ مضطرب سی لان میں نکل آئیں۔
"کیسے لوٹاؤں تمہاری خوشیاں؟ کہاں سے واپس لاؤں تمہاری وہی چہکاریں
مہکاریں؟" وہ کرب سمیٹے کین کی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"کس منہ سے عمر کے پاس جاؤں' یہ آگ میری ہی تو لگائی ہوئی ہے جو آج وہ
لوٹا رہا ہے' وہ سب ہمارا ہی دیا ہوا ہے۔ اس کے دامن میں میری طرف سے نفرت کے
کانٹے بے گانگی ہی تو ڈالی گئی ہے اور آج..... آج وہ سب لوٹا رہا ہے تو وہ سفاک اور ظالم
لگ رہا ہے۔
"شمن! تم نے اپنی نفرت اور محبت کے درمیان میری ہستی کو گھسیٹ لیا۔ مجھے

میرے اپنے خون' مجھے خون سے دور کر دیا۔" اماں کہہ رہی ہیں وہ منتقم مزاج نہیں ہے۔"
ہاں بھلا اس کی ماں کب منتقم مزاج تھی۔
اس نے کب پلٹ کر میری زہر بھری باتوں کا جواب دیا تھا۔ بلکہ اس نے تو میری
نفرت کا جواب بھی محبت سے دیا تھا۔
انہیں یک دم شہلا یاد آنے لگی۔ اس کی اچھائیاں' خوبیاں اب دکھائی دینے لگی۔
ان کا دل غیر شعوری طور پر شمن اور شہلا کا موازنہ کرنے لگا تو انہیں شہلا کا پلڑا ہر لحاظ سے
بھاری لگا انہیں آج احساس ہوا کہ تیمور نے واقعی ایک ہیرے جیسی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔
اس نے خلوص اور محبت میں گندھی ہوئی لڑکی سے محبت کی تھی اور بھلا ایسی چاہنے والی پر
خلوص رفیق کو کون بھلا سکتا ہے۔
آہ..... وہ آج ہوتی تو ضرور عمر کو راضی کر لیتی۔ ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے وہ اماں
جانی کی بات مان لے۔"
امید کی کرن ان کے دل کے گوشے میں جگمگائی۔ مایوسی اور دکھ کے دبیز
اندھیرے میں یہ چھوٹی سی "کرن" بھی بہت بڑا سہارا تھی۔ انہوں نے کرسی کی پشت سے
سر ٹکا کر دل میں ڈھیر ساری دعائیں مانگ لیں۔

ادھر ایمن کے علم میں ساری صورت حال آئی تو رنج سے اس کا دل شق ہو گیا۔
عینیہ کی اجڑی صورت نے اس کے دل کو دکھ سے جکڑ لیا۔
اس نے ابھی اور اس وقت عمر سے بات کرنے کی ٹھانی تو اس نے اسے روکا۔
"نہیں ایمن' اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ سب میری ہی نادانیاں اور خوش
فہمیاں تھیں۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا مگر ایمن مانی نہیں۔

''صرف ایک بار بات تو کرنے دو۔ اس کے انکار کے پیچھے کیا جواز ہے
کیسے ہو سکتا ہے عینیہ کہ وہ محض تماشائی ہو۔ اس کی طرف سے بہرحال تیل تو چھڑکا
ہے۔'' ایمن نے اس کے ناں ناں کرنے کے باوجود عمر کے آفس کا نمبر لیا اور فون سیٹ کے
ساتھ صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ ایک موہوم سی امید نے پھر دل کے اندر
دبیز اندھیرے کو کاٹنے کے لئے ہاتھ پھیلا دیا۔

ایک بے چارگی آمیز کرب کے ساتھ بیڈ کی پشت سے لگ کر آنکھیں موند لیں
فون عمر نے ہی ریسیو کیا تھا مگر اجنبی آواز پر ذرا حیران ہوا تب اس نے تعارف کرایا۔

''میں ایمن علوی ہوں' عینیہ کی بیسٹ فرینڈ۔'' اس نے بیسٹ پر زور دیا تھا۔

''اوہ۔'' اس کے ہونٹ غیر محسوس طور پر باہم بھینچ گئے۔ اس نے ریسیور کو ایک نظر
دیکھا مگر خاموش رہا۔ تب وہ بولی۔

''عینیہ کے منع کرنے کے باوجود میں نے آپ کو فون کیا ہے کیا آپ اس کی
حالت سے واقف ہیں؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے عینیہ پر نظر ڈالی جو ابھی تک آنکھیں
موندے ہوئے تھی۔

''میں سمجھا نہیں۔ کیا ہوا اسے؟'' دوسری طرف انتہائی انجان پنے کا مظاہرہ
تھا یا حقیقتاً لاعلم تھا' ایمن سمجھ نہ سکی تاہم اسے غصہ بہت آیا اس کی اس مصنوعی یا حقیقی لاعلمی
پر۔''

''یہ کیسے ممکن ہے عمر صاحب کہ وہ اس نہج پر آ چکی ہو اور آپ بے خبر ہوں آپ تک
آنچ نہ پہنچی ہو۔'' وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔ عمر کو یک دم اپنی کنپٹیوں پر شعلہ سا لپکتا محسوس ہوا
تاہم وہ غصے کے اس ابال کو دباتے ہوئے رسانیت سے بولا۔

''مس ایمن۔ اول تو میں اپنے پرسنل معاملے میں کسی غیر کی مداخلت برداشت
نہیں کرتا۔'' وہ غیر پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''اور دوئم یہ کہ آپ کی سہیلی کی نادانیوں میں میں حصہ
دار ہرگز نہیں ہوں' کسی کو چاہنا ذاتی فعل ہے اس سے کوئی کسی کو نہیں روک سکتا۔
اب یہ اس کے اپنے خواب تھے۔''

''مگر ان خوابوں میں آپ نے کچھ تو رنگ بھرے ہوں گے' وہ نادان تھی تو آپ
نے اسے روکا نہیں حالانکہ یہ آپ کا اخلاقی فرض بھی تھا وہ کسی قدر نرم آواز میں بولی۔ وہ
محض عینیہ کی خاطر نرم لہجہ اپنائے ہوئے تھی ورنہ اس کی حالت کے پیش نظر اس کا تو دل چاہ
رہا تھا بم بن کر اس شخص پر بلاسٹ ہو جائے اور اس کے پرخچے اڑا دے۔

اس کی بات سچ تھی عمر کے اندر اضطراب کی لہریں اٹھنے لگیں۔ ایک ضرب سی پڑی
تھی اعصاب پر۔ وہ ہونٹ بھینچ کر ہلکی سانس خارج کرتے ہوئے مدافعانہ انداز میں بولا۔

''میں نے کہا نا کسی کو چاہنا' پسند کرنا' ذاتی فعل ہے' اس حق سے بھلا کون کسی کو
دست بردار کر سکتا ہے۔''

''مگر آخر کمی کیا ہے عینیہ میں کہ آپ نے اسے رد کیا ہے؟ اس کی بے لوث
چاہت کو نظر انداز کیا ہے اور۔'' ایمن ایک دم پھٹ ہی پڑی۔ تب عینی لپک کر آئی اور اس
کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا۔

''پلیز ایمن۔ بس کرو۔ مجھے اس کی نظروں میں اتنا تو مت گراؤ۔ میں تو خود اپنی
نظروں میں بھی گر چکی ہوں۔''

ایمن نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر اسے خود سے لپٹا لیا۔

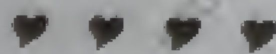

وہ آفس کی ریوالونگ چیئر پر بڑی کسل مندی سے بیٹھا ہوا تھا۔ فائل اس کے

سامنے کھلی پڑی تھی۔ اس میں پن کیے صفحات پنکھے کی ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے مگر اس کا
ذہن ان صفحات سے کہیں زیادہ منتشر اور مضطرب تھا۔

ریسیور رکھنے کے بعد وہ خالی ذہن فائل پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ اس میں لکھے الفاظ بے مقصد لکیروں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ دل خلش کا شکار تھا اور یہ کیفیت اس کی کوئی ہفتہ بھر سے تھی۔ وہ مسلسل بے نام سی خلش اور اضطراب میں مبتلا تھا۔

اس کا خیال تھا جو سراسر غلط تھا کہ وہ اپنے دل پر رکھا ہوا بوجھ اتار چکا ہے اور بہت خوش ہے۔ ثمرہ کا تاریک پڑتا چہرہ اس کی پشیمانیاں اسے مسرور کر رہی تھیں۔

وہ فاتح ہے اور فاتح لیڈر کی طرح ہی شاد اور مطمئن ہے۔

مگر.....

طمانیت مسرت اسے تو نہیں کہتے۔

یہ کیسی طمانیت تھی جو اسے دل میں یوں چبھ رہی تھی جیسے کوئی چھوٹا سا کانٹا اندر اتر گیا ہو اور مسلسل کھٹک رہا ہو۔ مسرت ایسی وحشت ناک اور مضطرب احساس کا نام تو نہیں جس سے تا حال وہ گزر رہا تھا۔

اس نے فائل بند کی اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

اسے اچانک کمرے میں حبس کا احساس ہونے لگا۔ حالانکہ کھڑکیاں کھلی تھیں اور وہاں سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ اے۔ سی بھی اس نے کچھ دیر بعد بڑھتی ٹھنڈ کی وجہ سے بند کیا تھا مگر..... کیا کرتا' اس حبس کا جو اندر تھا بے حد و بے حساب۔

وہ سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑانے لگا۔ شاید اس طرح ذہن پر چھائی دھند چھٹ جائے یا اپنی سوچوں کے حصار سے وہ نکل سکے۔

باہر ٹریفک کا ہجوم تھا۔ گاڑیوں میں دوڑتے فٹ پاتھ پر چلتے لوگ اپنے آپ

میں مگن زندگی کی دوڑ میں ایک بہتر زندگی حاصل کرنے میں سرگرداں دکھائی دے رہے تھے۔ ہر کوئی اپنی زندگی سے شاد اور مطمئن نظر آ رہا تھا یا محض یہ اس کا اپنا خیال تھا۔ اس وقت ہر شخص اسے اپنے آپ سے زیادہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔

چونکہ اس کی بے کلی حد سے سوا تھی اور وہ خود نہیں جان پا رہا تھا کہ وہ اب چاہتا کیا ہے؟ اس اضطراب مسلسل کا تریاق کیا ہے؟ وہ گھر آیا تو ثمرہ پر نگاہ پڑی۔ وہ اماں کے ساتھ لابی میں ہی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

اندر ہی اندر بے کلی اور مجرمانہ احساس کاٹنے لگا۔ وہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر دوسری طرف دیکھنے لگی جب کہ وہ اماں جان کو سلام کر کے اپنے بیڈروم کی جانب بڑھ گیا۔

''آپ بات کریں نا اماں۔'' ثمرہ اس کے جاتے ہی دبے لہجے میں اماں سے بولی۔ اماں نے تسبیح ایک طرف رکھی اور چائے کا مگ اٹھا لیا۔

''رات تیمور نے اس سے بات کی تھی مگر وہ نہیں مانتا اب بھلا میرے پاس کون سا جادو ہے جو وہ مان جائے گا۔''

ثمرہ نے بے چارگی آمیز کرب سے لب دانتوں میں دبا کر رہ گئی اور سامنے دیوار کو گھورنے لگی۔

''سنبھل جائے گی وہ۔ تھوڑا وقت گزر جانے دو۔'' اماں ڈھارس دینے والے لہجے میں بولیں تو وہ گہری سانس بھر کر سر نفی میں ہلانے لگی۔

''نہیں اماں! عینیہ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ بے شک وہ چپ سادھ لے گی مگر اندر سے ٹوٹ جائے گی' بکھر جائے گی۔''

''تو یہ سب تو تمہیں پہلے سوچنا چاہئے تھا۔'' اماں جان نے ترچھی نگاہیں اس پر ڈالیں تو مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر رہ گئیں۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں''

"میں بات کروں اس سے؟" اس کے لہجے میں التجا بھی تھی۔ وہ ساری نفرت حقارت جانے کہاں جا سوئی تھی۔ اس وقت تو وہ ایسی بھکاری معلوم ہو رہی تھی جسے ہر حال میں اپنا کشکول بھرنا ہو۔

اولاد کی محبت نے برف کی طرف پگھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ 'پھوپو' بن کر نہیں ماں بن کر عمر کے پاس جانا چاہتی تھی ایک بیٹی کی ماں بن کر۔

"نہیں آج رہنے دو۔ وہ کچھ تھکا اور پریشان سا لگ رہا تھا۔ میں خود بات کروں گی۔" انہوں نے اسے روک دیا پھر اسے اٹھتا دیکھ کر بولی۔

"کہاں جا رہی ہو؟ تیمور آتا ہی ہوگا۔ رات کا کھانا کھا کر جانا۔ فہد چھوڑ آئے گا۔"

"نہیں پھر کبھی سہی۔" وہ دانستہ دامن بچا گئیں۔ گھر کے اس کھنچے کھنچے ماحول میں انہیں اپنے جرم کا احساس شدید ہونے لگا تھا۔ ایک طرف بھاوج ثمن کا رویہ بھی ناقابل برداشت تھا۔ وہ اس سے اکھڑی اکھڑی رہنے لگی تھی۔ وہ ساری محبت جو کبھی نظر آتی تھی اس کا شائبہ تک نہ تھا اس کی آنکھوں میں اور ثمن کا یہ رویہ ثمرہ کے لئے کسی صدمے سے کم نہ تھا۔ وہ تو ہمیشہ اس کی خیر خواہ اس کی حمایتی اور ہمدرد رہی تھی۔ مگر آج اس پر پڑی تو اس نے آنکھیں پھیر لیں۔ جیسے سراسر قصوروار وہی اکیلی ہو۔ جب کہ نفرت کا پہلا بیج تو اس کے اندر بھی خود ثمن نے ہی بویا تھا شہلا کے خلاف.... اور پھر عمر کے خلاف۔

وہ نڈھال قدموں سے وہاں سے چلی آئیں۔

آج کئی دنوں بعد وہ کالج آئی تھی۔ ایمن اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ یہ سب اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

وہ چند دنوں میں ہی کئی مہینوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔ ایمن کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ اسے زندگی کی رونقوں کی طرف پھر کھینچ کر لانا چاہتی تھی جس سے وہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے لان میں بٹھا کر برگر لینے گئی اور جب واپس آئی تو وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

"عینی! اس طرح دل جلانے سے کیا حاصل۔ اس سے تو یہ بہتر ہے تم اس سے دو ٹوک بات کر لو۔"

"کیا بات کروں؟ وہ تو اسے میری نادانیاں سمجھتا رہا ہے۔" اس نے بیگ کے اوپری خانے سے ٹشو نکالا اور آنکھیں پونچھنے لگی۔

اک جان سوز نامراد خلش
اس طرف ہے ادھر نہیں ہوتی

وہ بے چارگی سے ہنس پڑی۔ پھر اس کے ہاتھ میں پیکٹ دیکھ کر بولی۔

"یہ کیا اٹھا لائی ہو۔ مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے آپ کی بھوک اور نیندیں سب اڑ چکی ہیں مگر ڈیئر... کتنے دن بھوکی رہ سکو گی تم؟"

ایمن نے اس کی بات کا نوٹس ہی نہیں لیا اور پیکٹ کھول کر ڈسپوزل پلیٹ میں اس کا برگر رکھ کر اس کے آگے کر دیا۔

"بات بھوک کی نہیں، طلب کی ہے اور اس وقت مجھے بالکل طلب نہیں ہو رہی ہے۔" اس نے دوبارہ گھٹنوں میں سر دینا چاہا کہ ایمن نے اس کا سر اونچا کیا اور آنکھیں دکھائیں۔

"اچھے دوست بھی نصیب والوں کو ملتے ہیں ناقدری پھر تمہیں ہی شکوہ ہوگا کہ

دوستوں نے بھی دل ودریاں چھوڑ دیں۔" وہ ہنسی۔ "اور سنو کیا تم اس شخص کے لئے مجھے بھی چھوڑ دو گی۔ مجھ سے بھی خفا کر دو گی۔"

اس نے تڑپ کر اسے دیکھا، پھر بے بسی سے ہونٹ بھینچ کر دیوار سے پشت لگاتے ہوئے بولی۔

"یہ جذباتی بلیک میلنگ ہے امی۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج تھا۔ ایمن ہنس پڑی اور اس کی پلیٹ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں زبردستی پکڑاتے ہوئے بولی۔

"جذباتی بلیک میلنگ بھی تو وہیں کام آتی ہے نا جہاں اپنائیت ہو۔ جذبوں کو سمجھنے والا محسوس کرنے والا اور قدر کرنے والا ہو۔ چلو شاباش، تھوڑا سا کھالو۔ مجھے پتا ہے تم نے ناشتا بھی نہیں کیا، سڑی چائے پی کر گھر سے نکل آئی ہو اور اب جا کر لنچ بھی نہیں کرو گی۔"

وہ اس کے آگے ہار گئی اور طلب نہ ہونے کے باوجود محض اس کا دل رکھنے کو کھانے لگی۔

"سنو میری مانو تو اس سے ایک بار مل لو۔"

"کیا کہوں گی اس سے؟" اس نے اضطرابی انداز میں سوال کیا۔ دل تو اس کا بھی چاہ رہا تھا "تیمور ولا" جانے کو اور اس ستم گر کو ایک نظر دیکھنے کو۔ کتنے دن ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے، اس کا دل وہاں جانے کا سوچ کر ہی معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔ ذہن اکسانے لگا۔

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں کہ کیا کہو گی۔" ایمن اسے گھور کر دیکھتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہنے لگی۔ "میں تو تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ جاتے ہی بم کی طرح پھٹ پڑو۔ اس کے خوب لتے لو اور...." ایمن نے دانت یوں پیسے جیسے دانتوں تلے عمر تیمور ہی آ گیا ہو۔

وہ اس کی کیفیت پر دھیرے سے مسکرا دی۔

وہ اسے کیا بتاتی کہ اسے دیکھ کر اسے جانے کیا ہو جاتا ہے۔ وہ دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل کر رہ جاتی ہے۔ اس کے طلسم میں جکڑ کر اس کے الفاظ کہیں گم ہو جاتے ہیں۔ شاید اس کی آنکھوں کی خوب صورت جھیلوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

تم نے دیکھیں ہیں وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جس کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تم پر اٹھیں ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تم کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

"ہو سکتا ہے عینیہ، وہ تمہارا لاشعوری طور پر منتظر بھی ہو۔"

ایمن کہہ رہی تھی اور اسے اپنے رگ وپے میں ایک نئی توانائی سرایت کرتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بس ایمن کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

اندر ہی کہیں امید کے دیپ جل اٹھے تھے۔

بارش کی بوندیں بے داغ شیشے پر موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ بہت ہلکی ہلکی بوندیں ہوا کے ساتھ صبح سے جاری تھیں۔ اس نے کھڑکی کا پٹ پورا کھول دیا۔ اسے بارش سے قطعی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ البتہ وہ کیسٹ پلیئر سے نکلنے والی اس غزل کو دلچسپی سے سن رہا تھا جو شاید کسی ملازم کے کوارٹر سے آ رہی تھی۔

دشت تنہائی میں، اے جان جہاں لرزاں ہیں
تیری آواز کے سائے، تیرے ہونٹوں کے سراب
اٹھ رہی ہے قربت سے تیری سانس کی آنچ
اپنی خوشبو میں سلگتی ہوئی مدھم مدھم

دور افق پار، چمکتی ہوئی قطرہ قطرہ
گر رہی ہے تیری دلدار نظر کی وہ شبنم

اس کا دل چاہا وہ اس آواز کو تیز کر دے اتنی تیز کہ اس کے اندر کا وحشت ناک شور دب جائے۔ اس کے دل سے اٹھنے والی آوازوں کا دم ٹوٹ جائے۔

اس قدر پیار سے' اے جانِ جہاں رکھا ہے
دل کے رخسار پہ اس وقت تیری یاد نے ہاتھ
یوں گماں ہوتا ہے' گرچہ ابھی صبحِ فراق
ڈھل گیا' ہجر کا دن' آ بھی گئی وصل کی رات

اسے لگا غزل کے بول اس کے اندر کی وحشت کو اور بھی ہوا دے رہے ہوں۔ ایک عجیب سی افسردگی نے اس کے دل کے گرد جال سا بن لیا تھا اسے یہ کیف آگیں ماحول یک دم اداس اداس لگنے لگا۔

بھیگے بھیگے سبز پتوں میں بھی حزن محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یاد تھا ایسے خوشگوار موسم میں اس کا موڈ بھی خوش گوار ہو جایا کرتا تھا اور وہ فوراً ہی رنگ اور برش اٹھا کر کوئی شاہکار تخلیق کرنے لگتا۔ آفس میں ہوتا تو وہاں سے بھاگ جانے کے چکر میں پڑ جاتا اور پاپا ہنس پڑتے۔

مگر آج یہی موسم اس کے اندر ضربیں لگانے لگا۔ اسے یک دم ہلکی ہلکی مترنم ہنسی کی جھنکاریں سنائی دینے لگیں اور اس نے جیسے آنکھیں موند لیں۔

بارش کو دیکھ کر وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہو کر اس کی طرف دوڑتی تھی۔

''عمر بھائی' اف کتنا زبردست موسم ہو رہا ہے اور آپ یہ رنگ برش لے کر بیٹھے ہیں۔'' وہ دروازہ دھاڑ سے کھول کر خراماں خراماں چلی آئی' شاید لان سے سیدھا یہیں آئی تھی اس کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ بھیگی لٹیں چہرے پر جھول رہی تھیں اور چہرہ اندرونی خوشی سے چمک رہا تھا۔ دوپٹا اس نے بڑے سلیقے سے جسم کے گرد پھیلا رکھا تھا۔

''ہاں میں انجوائے ہی کر رہا ہوں۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا تو وہ منہ بنا کر ہنسی تھی۔

''کمرے میں بند بارش کو انجوائے کر رہے ہیں آپ۔ جناب باہر نکل کر دیکھیے کیا زبردست موسم ہو رہا ہے آئیں نا۔ فہد بھی لان میں بیٹھا کبابوں پر ہاتھ صاف کر رہا ہے اس سے پہلے کہ وہ سب چٹ کر جائے جلدی سے آ جائیے۔''

''کباب کھلانا چاہ رہی ہو یا بارش دکھانا؟''

وہ کھسیا کر ہنس پڑی' اور اس کے ہاتھ سے برش چھینتے ہوئے بولی۔

''یہ تصویر دھوپ میں بھی بن سکتی ہے۔ بارش ختم ہو گئی تو پھر مزا نہیں آئے گا۔'' وہ اس کے رنگ برش خود ہی ایک طرف رکھنے لگی پھر ایزل پر پردہ گرا دیا۔ وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ اس کی معصوم خواہشوں کا اگر کبھی احترام کر لیتا تو وہ بچوں کی طرح مسرور ہو جاتی۔
اس کی ذرا سی توجہ اس کے اندر پھول کھلا دیتی۔
اس کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھتا۔
کوئی موسم بھی ہو وہ اس کے بنا انجوائے نہیں کر سکتی تھی۔ مگر آج.....
اس نے لان میں برسنے والی بوندوں کو دیکھا تو جیسے باہر کا سناٹا اندر تک اتر گیا۔
آج وہ کیوں دوڑ کر نہیں آئی اسے بلانے کو؟

''عمر! بارش ہو رہی ہے اور آپ اندر گھسے بیٹھے ہیں۔ آئیں نا باہر۔ دیکھیں موسم کتنا زبردست ہو رہا ہے آئیں پلیز...''

وہ یک دم چونکا۔

دروازہ ہلکے سے کھلا تھا اور اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

''کمال ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم لان کے کسی گوشے میں اس خوش گوار موسم کو انجوائے کر رہے ہو گے مگر یہاں تو.....''

فہد اندر آ چکا تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور دوبارہ رخ کھڑکی کی سمت کر لیا۔

ایک اکیلا میں ہی گھر میں خوف زدہ سا بیٹھا تھا ورنہ شہر تو بھیگ رہا تھا۔ پہلی پہلی بارش میں'' وہ شوخی سے گنگنایا۔

''آج موسم واقعی اچھا ہے۔'' وہ گہری سانس بھر کر رخ موڑ کر فہد کی طرف دیکھنے لگا۔

''تمہیں لگ رہا ہے؟'' جواباً وہ ہولے سے ہنس کر ایک ابرو جھکا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے لہجے اور نگاہوں کے زاویوں سے وہ سٹپٹا گیا پھر کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ کی سائڈ پڑے صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

فہد اسے نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا دھیرے سے بولا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔''

وہ چونکا۔ ''کیا؟''

کہ تمہیں یہ موسم واقعی اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ اس کے سامنے اس کے بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا اور اس کے چہرے کو یوں دیکھنے لگا جیسے وہاں سے اس کے دل کے اندر جھانک رہا ہو۔

وہ شاید اس غیر متوقع صورت حال کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ فہد کی نظروں میں چھپے سوالوں کو یک دم نظر انداز کر دیا۔

فہد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ ایک طرح سے اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک گہری سانس بھر کر اس کے بیڈ کی شفاف چادر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں بولا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا عمر۔ عینیہ کے ساتھ۔''

عمر نے نگاہیں ہٹا کر بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا پھر نگاہوں کا زاویہ بدل کر سامنے کی دیوار کو گھورتا رہ گیا۔

اور دروازے کے باہر دھیرے دھیرے قدموں سے چلنے والی عینیہ کے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔ وہ ایمن کے پر زور اصرار پر تیمور والا آئی تھی۔ اس ستم گر کو دیکھنے کو مگر فہد کی آواز اور اپنے نام پر ٹھٹک گئی۔

اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اندر یکلخت چھا جانے والی خاموشی اس کے اعصاب پر ضرب کی طرح لگنے لگی۔ وہ کچھ اور قریب ہو کر دروازے سے لگ کر عمر کی آواز کی منتظر ہو گئی۔

کئی پل خاموشی کی نذر ہو گئے تھے۔

عمر کے چہرے پر کھنچاؤ کی سی کیفیت سمٹ آئی تھی۔

''اگر یہ ماضی کے حوالے سے کوئی انتقامی کارروائی ہے تو......'' فہد نے کہنا ہی چاہا کہ وہ ٹوک گیا۔

''شٹ اپ۔'' اس نے فہد کو سخت فہمائشی نظروں سے دیکھا تھا۔

''تم سب مجھے ہی کیوں بلیم کر رہے ہو۔ کیا جانتے ہو تم۔ صرف یہ کہ عینی نے مجھے پسند کیا اور میں نے اسے ری جیکٹ کر دیا۔ اس کے علاوہ کیا جانتے ہو تم؟'' اس کی آنکھوں

میں سرخی اتر آئی۔ یوں بھی وہ کئی راتوں کا جاگا ہوا تھا۔ اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے اور ذہن کی رگیں تنی تنی سی محسوس ہونے لگی تھیں۔ فہد نے اسے بھڑکا ہی دیا تھا۔ اس کی طنابیں کھنچ گئی تھیں۔

''میں کسی سے پسند کرنے کا حق نہیں چھین سکتا تھا' اس کا دل نہیں بدل سکتا تھا' اس کے احساسات اور جذبات میرے کنٹرول میں نہیں تھے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے نگاہیں کترا لیں۔ فہد کچھ ایسی چبھتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا پھر ذرا سا ہنسا۔ اس کی ہنسی بھی استہزائیہ تھی۔

''بے شک وہ جذباتی اور پاگل سی لڑکی ہے مگر یہ کیسے ممکن ہے عمر کہ ہمیں اس کی دیوانگی کا اندازہ ہو گیا اور تم بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ وہ اسی نہج پر آ گئی کہ واپس پلٹنے کا راستہ گم کر بیٹھی۔''

وہ کھڑکی سے باہر پھیلی دھند کو گھورتا رہ گیا کہ فہد مزید گویا ہوا۔

''تم اسے ضرورت سے زیادہ توجہ دینے لگے تھے اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کا احترام کرنے لگے تھے۔ اس کی خوشیوں کو شیئر کرنے لگے تھے' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کس جذبے اور کس رشتے سے تمہیں دیکھ رہی ہے۔ وہ تمہاری دائمی رفاقت کی طلب گار تھی' یہ بات میں محسوس کر چکا تھا تو تم..... تم کیسے نہیں کر سکے تھے۔''

''چپ ہو جاؤ فہد چپ ہو جاؤ'' اس کی رگ رگ میں آگ بھڑکنے لگی۔ اس نے زور سے کھڑکی کا پٹ بند کیا اور چور نگاہوں سے فہد کو دیکھنے لگا جو متاسفانہ نظروں سے گویا اسے چھید رہا تھا شاید اسے بھی عمر جیسے شخص سے اس طرح کے بی ہیور کی توقع نہیں تھی۔

تب اس نے ایک گہری سانس بھر کر اپنے اندر سے اٹھتے ابال کو دباتے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

''ہاں میں سب جانتا تھا' میں بے خبر نہیں تھا بلکہ میں نے یہ سب جانتے بوجھتے ہی کیا ہے۔ اس کے واپسی کے راستے گم کیے ہیں اور یہ سب میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا ہے' کسی جذباتی لگاؤ کے تحت نہیں۔''

''عمر۔'' فہد تحیر آمیز بے یقینی سے اسے تکتا رہ گیا اس کے ہونٹ یک بارگی کھلے پھر اس نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے سخت متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''یہ..... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' وہ ہلکے سے ہنسا مگر اس کی ہنسی روح سے خالی تھی آنکھیں ایک لمحے کو موند کر کھولیں تو ان میں نفرت آمیز تلخی امڈتی محسوس ہونے لگی۔

وہ اتنا اجڑا اور ویران دکھائی دینے لگا کہ فہد کے دل پر چوٹ سی پڑی تاہم وہ اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

کمرے میں چند لمحے بوجھل سا سکوت چھایا رہا پھر اس سکوت کو عمر کی آواز نے ہی چیرا تھا۔

''انا اور عزت پر لگنے والی چوٹ کچھ ایسی ہوتی ہے فہد کہ اس کی اذیت اس کی تلملاہٹیں روح کو چھید کر بے قرار اور بے چین کر دیتی ہیں۔ میرے کردار پر کیچڑ اچھالی گئی میرے ضبط کی وہ انتہا ہی تھی اور اس میں جس اذیت سے گزر رہا تھا یہ میرا دل ہی جانتا تھا۔ میرے سارے جذبے' ساری اچھائیاں' بدصورتی میں بدل گئیں۔ میرے صاف ستھرے ذہن و دل میں گندگی انڈیل گئی' دانستہ ایسا کیا گیا جانتے بوجھتے میرے عمل کو آزمایا گیا فہد میرے اندر کے متحمل مزاج انسان کو منتقم بنا دیا گیا۔ ثمرہ پھوپو کا لگایا ہوا الزام میری رگ رگ میں نفرت بھر گیا' مجھے انسان سے شیطان کا روپ دھار لینے پر مجبور کر گیا اور جو آگ ثمرہ پھوپو نے میرے اندر بھر دی تھی میں نے اس آگ کو انتقام کی پھوار سے ٹھنڈا کرنے کی

کوشش کی۔"

فہد اس انکشاف پر بھونچکا رہ گیا۔

"انہوں نے الزام لگایا کہ میں ان کی معصوم بچی کو ورغلا رہا ہوں۔ اسے فریب کے جال میں قید کر رہا ہوں' اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھا کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہ میں اس سے دور رہوں اور میں جو اس کی بیٹی کو کبھی اس نظر سے نہ دیکھا تھا وہ میری نظر میں ایک پاگل سی معصوم سی بچی کی طرح تھی' اسی الزام نے میرے ضبط میں میرے پاکیزہ جذبوں میں دراڑیں ڈال دیں۔ میں ماضی کو فراموش کر چکا تھا مگر حال کا الزام میری برداشت سے بہت زیادہ تھا میرے عمل کو ریزہ ریزہ کر دینے کیلئے کافی تھا۔"

وہ چپ ہوا تو کمرے میں یکلخت بھیانک خاموشی چھا گئی۔

فہد کے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ اس کی قوت گویائی اس اندوہناک انکشاف نے سلب کر لی تھی۔ عمر اپنی سلگتی کنپٹیوں پر انگلیاں دبا کر آنکھیں موند چکا تھا اس کا دل نئے سرے سے انوکھی آگ میں جل رہا تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف گیا اور پردہ کھینچا مگر راہداری میں گہرا سکوت تھا۔ مگر اسے محسوس ہوا جیسے کوئی بہت سرعت سے راہداری عبور کر گیا ہو۔ وہ پلٹا تو فہد نے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا مگر وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔ پھر دوبارہ صوفے پر گر سا گیا۔

"عمر! بے شک جو ہوا یہ نہیں ہونا چاہئے تھا' تاہم....." وہ گہری سانس بھر کر دم بھر کو رکا پھر اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ سب کرنے کے بعد تمہارے اندر کی تپش ختم ہو گئی؟ تمہاری انا کو تسکین مل گئی ہے؟"

اس کا حملہ بڑا اچانک لگا وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا دل سخت قسم کی دل گرفتگی محسوس کرنے لگا۔

"اگر طمانیت مل جاتی تو تم اتنے مضطرب ......"

"پلیز فہد۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں اس موضوع پر اب مزید کوئی بات نہیں کر سکتا۔" اس کا لہجہ درشت تھا۔ مگر فہد بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

"اگر انتقام لینے کے بعد تم خوش ہوتے تو میں بھی بہل جاتا مگر عمر! ایسا نہیں ہے۔ تم اپنے اندر کو ٹٹولو شاید تم بھی انجانے میں اس راہ پر چلے آئے ہو۔"

"فار گاڈ سیک فہد۔ میں نے کہا نا مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں یہ باب بند کر چکا ہوں۔ میں بہت مطمئن ہوں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو جائے مگر ابھی ایسا نہیں ہے۔" وہ اس کی بات پر ہلکے سے ہنسا۔ پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"انا کی جنگ میں جیتنے والے
نا آسودگی کے جال میں جکڑے نہیں رہتے۔
اس طرح بے سکون مضطرب نہیں رہتے۔

وہ اس کے صوفے سے اٹھنے سے پہلے ہی کمرے سے نکل گیا مگر اس کے ارد گرد وہی آگ بھڑکا گیا جس میں وہ کئی دنوں سے جل رہا تھا۔

اس نے تیمور ولا سے اپنے گھر تک کا فاصلہ یوں طے کیا جیسے ہزار کانٹوں سے الجھتی آئی ہو۔ کتنی محرومیوں کو سمیٹ کر لائی ہو ساتھ۔"

کائنات بھر کی گرفتگی اور آزردگی کا بوجھ لے کر پہنچی ہو یہاں۔

وہ تو اس ستم گر کو دیکھنے امنگوں کے ساتھ گئی تھی۔ اسے تو وہ بے گناہ بے تقصیر ہی لگا تھا مگر اب اس انکشاف نے اس کی ساری خوش فہمیوں کو اس بری طرح روند ڈالا کہ وہ مفلوج پرندے کی طرح ڈھے گئی۔

اس کا دل چاہا وہ چیخ چیخ کر اتنا روئے اتنا روئے کہ دم نکل جائے۔

سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ اعصاب دکھنے لگے کہ اسے محض انتقام کی بھٹی کا ایندھن سمجھا گیا۔

اس کے معصوم' بے غرض جذبوں کو چارے کے طور پر استعمال کیا گیا۔

اس کے جذبوں سے کھیل کر در پردہ اس کی ماں سے انتقام لیا جاتا رہا۔

اس شخص کی توجہ۔

اس کی محبت۔

سب جھوٹی تھی' محض ڈراما۔

شدت کرب سے کشن اٹھا اٹھا کر دیوار پر پھینکنے لگی۔ اسے آج اپنا آپ اندر سے بالکل خالی خالی اور ویران لگ رہا تھا۔

سب کچھ ایک بے درد' ظالم سفاک شخص پر لٹا کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

چند خوش گوار لمحوں کی کتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔

جو انگارے اس شخص نے برسائے تھے اس سے اس کی روح شاید عمر بھر سلگتی رہے گی۔

اس نے تکیہ اٹھایا پھر اس پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کاش... کاش' عمر میں تمہارے فریب کے جال میں نہ آتی۔

تمہارے اندر کے شیطان کو پہلے ہی جان گئی ہوتی۔ کتنی بے مایا بے حقیقت ہو کر رہ گئی میری ذات تم نے اسے صرف اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔

میرے پاکیزہ' بے غرض جذبوں کو اپنی نفرت اور انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا۔

امی کو نیچا دکھانے کے لئے تم خود بھی پستی میں اتر گئے۔

تم' عمر تم' اتنی پستی میں بھی اتر سکتے تھے میں کیسے یقین کر لوں۔

اس نے سلگتی آنکھیں کھولیں پھر موندلیں۔

اسے اپنا دل آگ میں دھڑ ادھڑ جلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اسے لگا کسی نے اسے بہت اونچائی سے نیچے پھینک دیا ہو۔

سارا بدن پتھریلی زمین پر گر کر زخمی ہو گیا ہو۔ اب کسے بتا سکے گی کہ جسے خوشی کی تتلی سمجھ کر اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی ستارہ سمجھ کر اس کی طلب گار بن بیٹھی تھی۔ وہ تو دہکتا ہوا انگارہ نکلا جو اس کی زندگی کو بھسم کر گیا۔

اسے عمر بھر کے لئے ذلت کی آگ میں دھکیل گیا۔

چھپ' چھپ کر کئی دن رونے کے بعد اس کے آنسو حقیقتاً خشک ہو گئے تھے۔

وہ ایسی اجڑی دکھائی دینے لگی تھی جیسے بھری بہار میں ہنستے مسکراتے پودے پر خزاں آ گئی ہو۔

تاہم وہ یہ سوچ کر اپنے دل کو ڈھارس دے رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا کہ عمر کا اصلی روپ اس نے دیکھ لیا کم از کم اب وہ جی بھر کر اپنے انتخاب پر پچھتا تو سکے گی۔

آس و امید کا دامن چھوٹ جائے' نامرادی اور ناامیدی کی تاریکی دبیز ہو جائے تو پھر انسان ایک دن بہل جاتا ہے۔ اندھیرے کا خوف دل سے نکل جاتا ہے۔ وہ مانوس ہو جاتا ہے اس اندھیرے سے۔ اس تیرگی سے۔

ڈولتی ناؤ سے اچھا ہے ڈوب جانا۔ کم از کم ڈوب جانے کے خوف اور دھڑکے سے نجات تو مل جاتی ہے۔

اس کرب انگیز اور اہانت آمیز انکشاف نے اس کی ساری خوشیوں کو یوں چوس لیا تھا جیسے آکاس بیل ہرے بھرے درخت کا پتا پتا چوس لیتی ہے۔ اسے اب اس سے

سروکار نہیں تھا کہ اس کی زندگی کس طرح اور کیسے گزرے گی۔ اس نے امی کو ومیرا سر کر بڑے تحمل سے کہہ دیا تھا کہ

"امی! مجھے آپ لوگوں کی خواہش منظور ہے۔ میں فہد کا رشتہ قبول کرتی ہوں لیکن آنٹی سے میں شرمندہ ہوں اور آپ سے بھی..... اور شاید اپنے آپ سے بھی۔"

ثمرہ نے تڑپ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور کچھ دیر دیکھتی رہیں پھر بے اختیار اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

دو آنسو ان کی آنکھوں کے گوشوں سے نکل کر اس کے گھنے ریشمی بالوں میں جذب ہو گئے۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کی خاموش نگاہوں اور چہرے کے تاثر نے کچھ کہنے سے باز رکھا۔ وہ اس کے سینے سے الگ ہوئی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

روح پر ایسی تھکن تھی جو اس کا خیال تھا اب تا عمر نہ اتر سکے گی۔

اس نے کھڑکی کے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھا اور گہری سانس بھر کر کھڑکی کے شیشے سے لگ کر اندھیرے کو گھورنے لگی۔

وہ جس کو پیار کا مفہوم تک نہیں معلوم
اس کے در پہ ہی کیوں جان و دل لٹا بیٹھے
ہماری طرح سے اجڑا ہے کون زمانے میں
نہ تو ملا ہمیں، خود کو بھی ہم گنوا بیٹھے

وہ ابھی آفس سے اٹھنے ہی والا تھا کہ فہد اندر داخل ہوا اور سیدھا اس کی میز تک آیا اور دونوں ہاتھ میز کی سطح پر ٹکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کے اس انداز پر وہ ذرا سا چونکا۔

"خیریت..... کوئی کام تھا کیا؟" اس کی آمد اس کے لئے غیر متوقع ہی تھی۔ وہ بہت کم ضرورتاً ہی آفس آتا تھا۔ اس کے استفسار پر سر کو ہلکی سی اثباتی جنبش دی پھر ذرا سا آگے کو جھکتے ہوئے بولا۔

"ایک خبر سنانی تھی اسے خوش خبری سمجھ لو..... یا"

وہ پل بھر کو رکا پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے بولا۔ "اصولاً تو مجھے مٹھائی کے ہمراہ آنا چاہئے تھا مگر خیر مٹھائی تم گھر پر آ کر کھا لینا خبر مجھ سے سن لو کہ منیہ کے ساتھ میرا رشتہ طے پا چکا ہے اور اس آنے والے جمعہ کو منگنی ہے۔"

اس نے بے اختیار اسکی طرف دیکھا دوسرے پل نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

فہد یہ خبر سنا کر اب اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔

"تم نے غالباً کہا تھا کہ فہد کی خوشی میں اس کو سب سے پہلے گلے لگانے والا میں ہی ہوں گا۔ فہد کے لبوں کی تراش میں دھیمی مسکراہٹ تھی نگاہیں اب بھی اس کے چہرے پر جمی تھیں پھر وہ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے بولا۔

"تمہیں یقیناً مسرت ہوئی ہو گی۔"

اس کا دل چاہا وہ فہد کو فوراً کمرے سے باہر کر دے اور خود آنکھیں موند کر سر میں یک دم اٹھنے والے درد کو دبانے کی کوشش کرے۔ مگر بس وہ فہد پر ترچھی نگاہ ڈال کر رہ گیا اور دھیمے لہجے میں بولا۔

"تم خوش ہو اس سے اچھی بات میرے لئے اور کیا ہو سکتی ہے۔ بھائی ہو میرے تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔"

اس کے چہرے پر اب ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ حملہ بے شک اچانک تھا مگر اس کی قوت ارادی بھی بلا کی تھی۔

اس کے اعصاب کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

فہد دل ہی دل میں

مگر وہ لمحہ جو اس کے اعصاب کو لمحہ بھر کے لئے ہی سہی منتشر کر گیا تھا، انھو... کیوٹ کا لمحہ اسے فہد کے سامنے طشت از بام کر چکا تھا۔ وہ اسے بڑی کھوجتی اور قدرے شنوا نگاہوں سے تکتے ہوئے زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"یقیناً میری خوشی تمہاری خوشی ہے۔ تم ہمیشہ سے فراخ دل رہے ہو۔ اپنی چیز... بڑی خوشی سے میری جھولی میں ڈالتے رہے ہو۔ یاد ہے مجھے اچھی طرح، جب بچپن میں میں تمہاری چیزوں پر حق جتایا کرتا تھا تو تم، بڑی محبت سے مجھے بہلانے کی خاطر اپنی چیز... اشیاء بھی مجھے دے دیا کرتے تھے محض میرا دل رکھنے کو..... دادی ڈانٹتی کہ....."

"پلیز فہد۔" اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی اس مگر اس کی الجھی نگاہ... میں جانے کیا تھا وہ نگاہوں کا زاویہ بدلنے پر مجبور ہو گیا اور قدرے پست آواز میں بولا۔

"اس بے مقصد گفتگو کا مقصد؟" وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

فہد اسے بڑی دل گرفتگی سے دیکھنے لگا پھر ایک گہری سانس بھر کر سیدھا ہو گیا... اس کے ہمراہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"اس بے مقصد گفتگو کا مقصد یہ تھا بلکہ تمہیں سمجھانا کہ ہر وقت کی فیاضی اور فراخ دلی اچھی نہیں یہ کبھی کبھی عمر بھر کیلئے اذیت بن جاتی ہے۔ انسان چیز نہیں ہوتے کھلونے نہیں ہوتے، محبت بہت قیمتی شے ہے یہ کسی کو تحفہ میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ چاہت سے کوئی دست بردار نہیں ہو سکتا۔ یہ دل میں رہتی آبلے کی طرح سلگتے پھوڑے کی طرح۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں" وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کندھے اچکا کر بولا۔ مگر فہد نے کچھ ایسی نظروں سے اسے گھورا کہ اس نے نگاہیں چرا لیں۔

میں اپنی انا کے ہاتھوں عجب بے بس ہوں یارو

میں اس کا ہو نہیں سکتا اسے ہونے نہیں دیتا

فہد نے کچھ ایسی ہنسی کے ساتھ برجستہ کہا کہ وہ ہونٹ بھینچے اسے بس دیکھتا رہ گیا۔ پھر خاموشی سے پلٹ کر آفس سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ فہد بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"مسٹر عمر! کسی سیانے نے کہا ہے کہ" آپ چند لوگوں کو ہر وقت بے وقوف بنا سکتے ہیں اور بعض لوگوں کو بعض وقت، مگر تمام لوگوں کو ہر وقت بے وقوف نہیں بنا سکتے اور سنو..... سنو پلیز۔" وہ چیختا رہ گیا مگر۔

مگر وہ بڑی سرعت سے بٹن پش کر دیا گیا تھا اور دروازہ کھٹاک سے بند ہو گیا جب کہ باہر رہ جانے والا فہد مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

وہ سی گرین کامدانی سوٹ میں فہد کے برابر بیٹھی تھی جب وہ لڑکیوں اور لڑکوں کے ہجوم کم ہونے کے بعد مبارک باد دینے اسٹیج پر آیا تھا۔ فہد کو اس نے گلے سے لگا کر مبارک باد دی۔ فہد اسے شاکی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ مگر وہ انجان بنا عنیزہ احمر کی طرف چلا آیا۔

"بہت بہت مبارک ہو۔" اس نے بوکے اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ بڑے سے ٹشو کے دوپٹے میں تقریباً آدھا چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ یوں جیسے پتھر کی مورت ہو۔ حزن کی آمیزش نے اس کے چہرے کو اور بھی دل کش بنا دیا تھا۔ مگر اس کا حزن تو صرف محسوس کرنے والی آنکھ ہی محسوس کر رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھی ثمرہ تو اس کے چہرے کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ وہ ضبط کے نہ جانے کتنے سمندر پار کر کے یہاں بیٹھی ہے ایک آتش فشاں دبائے۔

عمر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے چاہنے کے باوجود نگاہیں نہ ہٹا سکا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ سے بوکے لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ نگاہوں کا تصادم ہوا۔ ان نگاہوں میں جانے کیا تھا اسے اپنے دل پر نامانوس سی آنچ پڑتی محسوس ہونے لگی۔ یک دم اپنے اندر خالی پن کا احساس ہونے لگا۔ سب کھو دینے کا اذیت ناک احساس روح پر چوکے لگانے لگا۔ اضطراب رگ رگ کو چھیدنے لگا۔

وہ بوکے لے کر چھینک ہو کہ کر پھر دھیمی آواز مگر بڑے چبھتے لہجے میں بولی۔

"کیا یہ اصلی پھول ہیں؟" یہ کہتے ہوئے اس نے لوکے ناک پر لے جا کر سونگھا۔

"خوشبو مصنوعی پھولوں سے بھی کبھی کبھار آ جاتی ہے کہ انسان دھوکا کھا جاتا ہے۔ یہ بھی کوئی دھوکا ہی نہ ہو۔"

ایک افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بوکے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

فہد یکسر ہی دونوں سے بے نیاز ہو کر اپنے دوست سے محو گفتگو تھا۔

عمر اس کی بات پر ٹھٹکا۔ بے اختیار ہی اس کی طرف رخ موڑ کر دیکھا تو اعصاب کو خفیف سا جھٹکا لگا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے اس کی پیشانی کو چادیا جیسے کوئی نکا تھپیڑ اسے چھو گیا ہو۔

"آپ تو یوں بھی خوب صورت دھوکے باز ہیں۔" وہ بھاری خوش نما پلکوں کو اٹھا کر ایک ہلکی مگر چبھتی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر بولی۔

وہ یک دم ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ یہ کوئی موقع نہیں تھا جواب دینے کا اور یوں بھی اس کا ذہن فوری طور پر اپنی مدافعت کے لئے الفاظ تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ذہنی جھٹکا ضرور لگا تھا وہ اسٹیج سے تیزی سے اتر گیا۔

اس کا مطلب تھا اس روز اس کے کمرے کے باہر جو کھٹکا ہوا تھا تو وہی تھی اور فہد سے ہونے والی گفتگو سن چکی تھی۔ ایک کرب اس کے دل کے اندر سرایت کر گیا۔ اسے لگا اس کا دل دکھ کی نامعلوم پاتال میں اترتا جا رہا ہو۔

گھر آیا تو خالی پن اور شکست خوردگی کا احساس رگ رگ سے اندر رہا تھا۔

اس نے جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

اسے تو کھو ہی چکے پھر خیال کیا اس کا
یہ فکر کیسی کہ اب ہو گا حال کیا اس کا
وہ ایک شخص جسے خود ہی چھوڑ بیٹھے تھے
کھلائے دیتا ہے ملال کیا اس کا

فہد کے لندن جانے کی تاریخ آ چکی تھی۔ وہ اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔" تیمور ولا" میں اس کے جاننے والے لوگ سب ہی جمع تھے۔ ہلکی پھلکی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ثمن نے عینیہ کو صبح سے ہی بلوا لیا تھا۔ وہ ان کا ہاتھ بٹانے کے ساتھ ساتھ فہد کی شرارتوں کی زد میں بھی تھی۔ فہد خوب چلبلا ہو رہا تھا۔ اس کی دیرینہ اور دلی آرزو جو پوری ہوئی تھی۔ سب نے ہی محسوس کیا اتنا خوش تو وہ اپنی منگنی والے روز بھی نہیں تھا۔

وہ اماں جان کے کمرے میں بیٹھی تھی تب عمر اندر داخل ہوا تھا۔

"شکر ہے جناب کی صورت تو نظر آئی۔" فہد اسے دیکھ کر چہکا۔ وہ دروازے پر ایک پل رکا تھا۔ وہ اماں کے پہلو میں بیٹھی اس کی آمد پر بے آرامی کی کیفیت میں کھڑی ہو گئی تھی۔

"دادو کہتی ہیں عمر تو عید کا چاند ہے مگر بھائی میرے عید کا چاند بھی سال میں ایک

بار نظر آ ہی جاتا ہے۔'' وہ اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا۔ وہ مسکرا کر اندر آ گیا اور ایک ہاتھ اس کے کندھے پر جما دی۔

''آپ اتنی بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور سنو میں نے کچھ ٹراؤزر خریدی ہیں تمہارے بیڈ پر رکھ آیا ہوں اور تمہاری جیکٹ بھی آ چکی ہے۔ کپڑوں کی پیکنگ خیال سے کرنا وہاں سردیاں بہت ہوتی ہیں۔''

اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''عینیہ!'' فہد نے یک دم اس کی طرف رخ موڑا تھا اور اس پر ترش سی نظریں ڈالتے ہوئے اور دبی زبان میں مگر تحکم بھرے لہجے میں بولا۔

''بیٹھ جاؤ، کہاں جا رہی ہو؟''

اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فہد اسے کمرے سے باہر جاتے ہوئے دیکھ کر یوں یک دم ڈانٹ دے گا۔ خفت کے ساتھ وہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

عمر نے بس ایک نظر اس کے لال رنگ چہرے پر ڈالی اور فہد کی طرف متوجہ ہو گیا جو کہہ رہا تھا۔

''مجھے تو سی آف کرنے کے لئے لگتا ہے امی نے پورا محلہ اکٹھا کیا ہوا ہے اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہیں یہ ہجوم دیکھ کر اس ائرپورٹ پر دہشت گردی کے الزام میں دھر لیا نہ جائے۔''

عمر اس کی بات پر ہلکے سے مسکرا دیا۔ پھر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

''اب تم کہاں چلے؟'' اماں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''آپ باتیں کریں مجھے ایک دو کام نمٹانے ہیں۔'' وہ عینیہ کے جھکے سر پر ایک نگاہ ڈال کر ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر پلٹ گیا۔

''جی ہاں! کام تو سارے آپ ہی کرتے ہیں' ہم تو باتیں ہی بگھارتے ہیں۔''

''اس میں کوئی شک بھی نہیں۔'' وہ پلٹ کر مسکرا دیا اور پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

فہد نے جھٹے پردے سے نگاہیں ہٹا کر بے اختیارانہ نگاہ عینیہ پر ڈالی جو چپ چپ چہرے کے ساتھ سر جھکائے لبوں کا گوشہ دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی گویا عمر کی موجودگی نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا۔ فہد کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بے مقصد مسکرانے لگی۔

فہد چلا گیا ''تیمور ولا'' میں خاموشیاں اتر آئیں۔ اس نے جاتے ہی فون پر اپنی خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دی تھی۔ مگر اس کے بعد مہینہ بھر ہو چلا اس کا نہ دوبارہ فون آیا نہ کوئی اطلاع ملی۔ عمر نے کئی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر بات ہی نہ ہو سکی۔ کچھ چند دن مزید گزرے کہ اس کا خط موصول ہوا۔ خط کیا تھا بم ہی تھا جو تیمور ولا اور احمر ہاؤس میں مشترکہ طور پر پھٹا تھا۔

اس نے خط میں اپنی منگنی کی اطلاع فراہم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''اس نے عینیہ سے رشتہ ختم کر دیا ہے اور وہاں لیزا نامی لڑکی سے منگنی کر لی ہے۔'' لڑکی کے اس نے خوب قصیدے لکھے تھے اور مزید لکھا تھا کہ وہ شادی بہت جلد کرنے والا ہے۔

ثمن تو پھوٹ پھوٹ کر رو دی مگر اسے دلاسا دینے والا کوئی نہیں تھا سب کے دل فہد کی اس حرکت پر غم سے نڈھال تھے۔

عمر اس خبر پر خاصا متعجب ہوا تھا۔ اسے فہد سے اس رویے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ تاہم اسے گھر والوں اور فہد کی فکر کی بجائے عینیہ کی فکر ستانے لگی۔

وہ پہلے ہی اس کے دیے ہوئے زخموں سے چور چور تھی' اس نئی افتاد پر وہ نازک سی لڑکی ٹوٹ پھوٹ ہی نہ جائے۔ اس کا دل چاہا وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائے اپنی اس

کیفیت پر وہ خود بھی حیران ہو کر رہ گیا۔

دوسرے دن وہ احمر ہاؤس آیا تو ثمرہ اس سے لگ کر بچوں کی طرح رو دی۔

"مجھے تو میرے کیے کی سزا ملی ہے عمر۔ مگر میری بچی کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔" ثمرہ کے اس طرح بلک بلک کر رونے پر وہ پریشان ہو گیا۔

"مجھے معاف کر دو عمر۔"

"پھوپو پلیز۔ ایسے تو مت کریں۔" اس کا دل رنج سے شق ہونے لگا۔ وہ انہیں تھام کر صوفے پر بٹھا کر ٹھنڈا پانی پلانے لگا۔

"فہد نے ایسا کیوں کیا عمر؟"

"حوصلہ کریں پھوپو۔ میں خود جاؤں گا اس کے پاس اور اس سے باز پرس کروں گا۔ اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ عینیہ کے ساتھ۔" بولتے بولتے اس کی زبان ٹھٹھر گئی وہ لاؤنج کے دروازے کے پاس کھڑی استہزائیہ آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ثمرہ کے کندھے کو تھپتھپانے لگا۔

وہ دروازے سے ہی پلٹ گئی تھی مگر اسے اندر باہر سے تہہ و بالا کر گئی۔

وہ آہستگی سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی وہ دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ جھکی اپنی رائٹنگ ٹیبل کی دراز سے جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ٹھہراؤ سا تھا جو اسے لگا جیسے یہ استقامت کی نہیں' غصے اور خود آزاری کی کیفیت ہو۔

شدت غم شاید یونہی زہر بن جاتا ہے۔

کھٹکے پر اس نے چہرہ اٹھایا تو اسے دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ یہ

والی عینیہ نہیں بلکہ ایک مختلف عینیہ نظر آ رہی تھی جس کی نس نس میں زہر ہو۔ آنکھوں میں نفرت کی تپش تھی۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟ ہمدردی کرنے تسلیاں دینے آنسو پونچھنے۔ تو سوری میری آنسو تو اس روز سے خشک ہو گئے تھے۔ جب دل میں نے پہلا دھچکا کھایا۔ فہد کا یہ رویہ میرے لئے کسی رنج و غم کا باعث نہیں بنا۔"

وہ پھٹ پڑی۔ عمر فوری طور پر کسی طرح کا ردعمل ظاہر نہ کر سکا۔

وہ دراز کھٹاک سے بند کر کے سرخ چہرے کیساتھ خود ہی اس کی جانب بڑھی اور اس سے کچھ فاصلے پر رک کر اس کے چہرے پر نگاہیں ڈال کر متنفر لہجے میں بولی۔

"مجھے فہد سے کوئی شکوہ نہیں ہے' نہ میں اب آنسو بہاؤں گی بلکہ میں تو خوش ہوں کہ مجھے کسی بڑے نقصان سے پہلے ہی آپ دونوں مردوں کی اصلیت کا علم ہو گیا۔"

"عینیہ۔" اس نے کچھ کہنا چاہا کہ وہ رخ موڑ کر بلکی افسردگی کے ساتھ بولی۔

"ہاں' دکھ اس بات کا ہے کہ جسے چھاؤں سمجھ کر اتنا طویل سفر کیا گھنا سایا سمجھا وہ تو تپتی دھوپ نکلا جھلسا دینے والی۔ بھسم کر دینے والی دھوپ۔"

"عینیہ پلیز۔" اس نے تڑپ کر اس کا بازو پکڑا اور جھٹکے سے رخ اپنی طرف کیا تو وہ بپھر گئی اور اس گرفت سے بازو چھڑاتے ہوئے بولی۔

"میں نے فہد کی رفاقت صرف اس لئے قبول کی تھی کہ اس میں میرے پورے گھر والوں کی رضا تھی' خوشی تھی ورنہ میں اس رفاقت کو سراب سمجھتی ہوں جس میں آدمی ہمہ جاں شامل نہ ہو۔ شاید فہد جانتا تھا یہ بات' اس نے بہت عقل مندی کا فیصلہ کیا ہے اور شاید میری رہائی بھی اس میں تھی۔ ہاں آپ میری خوشی کو ضرور شیئر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مگر میں اپنے دکھوں میں کسی کو شیئر کرنیکی اجازت نہیں دے سکتی۔ خوشی میں تو

غیروں کو بھی شامل کیا جاتا ہے نا..... مگر آنسو صرف اپنوں کے سامنے بہائے جاتے ہیں۔ دکھ صرف انہی کے سامنے رویا جاتا ہے جو قریب ہوں اور مجھ سے صرف میرا دل قریب ہے' آپ سب غیر ہیں میرے لئے۔''

آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا آہستگی سے دو آنسو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے ستاروں کی مانند نکل کر رخساروں پر گر کر ٹوٹ گئے۔

وہ پلٹنے لگی مگر عمر نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کر دی۔

''میں تم سے ہمدردی کرنے نہیں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے دو لفظ تمہارے کسی بھی دکھ کا مداوا نہیں ہیں۔ نہ میں معافی مانگوں گا کہ یہ بھی تمہارے کسی کام کی نہیں میں تلافی کرنا چاہتا ہوں اپنے جرم کی۔''

وہ بل کھا کر پلٹی تھی۔

''میں ایک وبال ہوں کہ فہد نے چھوڑا تو آپ۔''

''عینیہ''

''شٹ اپ۔ نکل جائیں یہاں سے۔'' اس نے جھٹکا دے کر اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا اور زور سے چلائی۔

''نفرت ہے مجھے آپ سے..... چلے جائیں خدا کے لئے' چلے جائیں۔'' میں آپ کی شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔

''کبھی یوں ہوتا ہے عینیہ احمر کہ جذبات کا طوفان تھم جاتا ہے' انا پر پڑنے والی ضرب کی تلملاہٹوں کی روانی میں سستی آتی ہے تو سوچنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور یہیں سے نفع و نقصان سود و زیاں کا احساس ہونے لگتا ہے غصے اور جذبات کے اس طوفان میں انتقام کے سیلاب میں کیا کھویا کیا پایا۔ یہ فکر اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور اگر کھویا ہی

کھویا ہو تو پھر بے سکونی اور اضطراب زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ میں بھی ایسی ہی اذیت اور بے سکونی میں گرفتار ہوں عینیہ۔ میری طرف دیکھو تمہیں دکھ دیکر ایک پل بھی سکون سے سویا نہیں ہوں۔''

''جھوٹ بولتے ہیں آپ۔'' وہ چلائی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو پڑی۔

وہ لب بھینچے اذیت آمیز احساس کے ساتھ اسے دیکھتا رہا پھر کمرے سے نکل گیا۔

تمام عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارا ہے

اسے نئے سرے سے اپنے جرم کا احساس ستانے لگا تھا اور ایک بار پھر دل تمام ترشدتوں سے عینیہ احمر کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ اسے لگا قدرت کی طرف سے اسے موقع ملا ہو۔ اپنے کیے کی تلافی کا' اس کو پا لینے کا۔ مگر وہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی بلکہ کسی کی بھی بات سننے کو تیار نہ تھی اور جانے اس کی ساری انا بھی کہاں جا سوئی تھی۔ دیوانوں کی طرح وہ اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

اس روز وہ کسی کام سے ''تیمور ولا'' آئی تو وہ لان میں ہی گھیر بیٹھا۔ اسے دیکھ کر وہ نفرت سے منہ پھیر کر جانے لگی مگر وہ بڑی سرعت سے اس کی بھاگنے کی راہیں مسدود کرتا ہوا اس کی راہ میں آ گیا۔

وہ بے چارگی آمیز کرب کیساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں آپ میرے۔ خدا کیلئے مجھے اپنی مرضی سے جینے دیجئے۔''

''تم نے جاب کیوں کر لی ہے؟'' اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے وہ بولا۔ وہ سلگ گئی۔

''مصروف رہنے کے لئے..... آپ کو کوئی اعتراض؟'' اس کی بات پر اس کے ہونٹوں میں ہلکی سی مسکراہٹ چمکی۔

''مصروف رہنے کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔''

''مثلاً۔'' اس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔ کیوں یہ شخص اس کی جان پر بنا آیا ہے۔ وہ تو اب اس کا چہرہ دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی بلکہ ساری دنیا سے کٹ کر رہ جانا چاہتی تھی مگر یہ شخص ہر بار نئے سرے سے اسے اسی اذیت ناک دنیا میں کھینچ کر لے آتا تو وہ خود کو بھی بھول جانا چاہتی تھی مگر وہ اسے اپنے وجود کی موجودگی کا احساس دلائے جا رہا تھا۔

''مثلاً میرے بارے میں سوچو میرے ساتھ نئی زندگی شروع کرو۔ اتنی مصروف ہو جاؤ گی کہ ....''

'بند کریں یہ بکواس میں ایسا گھٹیا مذاق پسند نہیں کرتی۔'' وہ طیش کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگی مگر وہ تو بے حد خوب صورت جذبوں کے ساتھ اسے تک رہا تھا۔ وہ اذیت کے عالم میں لب بھینچ کر رہ گئی۔

اس شخص نے اس بری طرح اس کے نازک جذبوں کی کونپلوں کو نہ روندا ہوتا تو شاید یہ محبت بھری نگاہیں اس کے اندر پھول کھلا دیتیں۔ انگ انگ مہکا دیتیں۔ مگر وہ اب اس احمقانہ اور جذباتی دور سے گزر چکی تھی۔

وہ نادانی کا دور گزار چکی تھی۔ اب کسی طرح اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اس کا اعتبار بہت بری طرح توڑا گیا تھا اسے خود کو کمپوز کرنے کے لئے مضبوط قوت ارادی کی ضرورت تھی۔ یا وقت کی۔۔ مگر وہ دانستہ سمٹنے نہیں چاہتی تھی خود کو ''پاگل لڑکی محبت

بڑا خوبصورت نازک مگر اتنا ہی پاور فل جذبہ ہے۔ اس کی جڑیں کبھی نہیں سوکھ سکتیں یہ اندر ہی اندر پھیلتا رہتا ہے۔ میں کیسے مان لوں کہ تمہارے اندر میری محبت کی جڑیں سوکھ چکی ہیں۔

اس کی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ دھیما بھاری لہجہ اس کے دل میں تیر گھونپ گیا۔ اس نے بڑی جھجکتی نگاہوں سے اسے دیکھا وہ اسے پسپا کرنے کے تمام ہتھیار استعمال کر رہا تھا وہ گویا رو دینے کو تھی پھر یک دم اسے دھکیل کر بھاگتی ہوئی لان عبور کر گئی۔

ہمارا کیا کہ ہم ٹھہرے
بڑے ناداں بہت بے حس
سدا جو درد سے بوجھل
بہت وحشی بڑا خود بیں
بس اپنے کرب سے واقف
کہاں فرصت کہ ہم سوچیں
کسی کے درد کو کھوجیں
کسی کی ہم کو کیا پروا
کسی کے غم سے کیا رشتہ
ہمارا دل نہیں رکتا
بہت طوفان جھیلے ہیں
نہ جانے کیوں مگر یہ دل
ٹھٹک جاتا ہے بس ایک پل
کہ جب کوئی عنایت ہو

کسی بے لوث جذبے کی
منصفانہ سی عدالت ہو
پھر ایسے میں وہ ہر ایک غم
جسے ہم نے بھلایا ہے
وہ ہر چہرہ وہ ہر منظر
وہ سارا قرض جو باقی ہے
اچانک یاد آتا ہے
فصیل ضبط گریہ کو
گراتا ہے مٹاتا ہے
ہمارا دل نہیں رکتا
ٹھٹک جاتا ہے اک پل
کچھ ایسا اثر لے کر
اچانک ہم نے پایا ہے
تمہارے پیار کا جذبہ
تمہارا اک حسین تحفہ

اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ گلابی کاغذ کو دیکھا جو جانے کب وہ اس کے گھر کر اس کے کمرے میں رکھ گیا تھا۔ اسے غصے سے پھاڑنا چاہا مگر انگلیاں کپکپا گئیں۔ اس نے ایک بار نہیں کئی بار بلا ارادہ اس نظم کو پڑھا۔ پھر روح اور بڑھنے والی تھکن سے بے حال ہو کر اسی پرچے پر سر رکھ کر رو پڑی۔

تم بہت ظالم ہو عمر۔ بہت ظالم۔

میں کیسے یقین کرلوں۔ کہیں یہ بھی فریب نہ ہو میرے اعتبار کو بہت روندا گیا ہے اب سکت نہیں ہے بار بار بکھرنے کے عمل نے مجھے نڈھال کر دیا ہے۔''

اسے لگا وہ اس شخص کے سامنے ایک بار پھر ہارتی جا رہی ہو۔ دل پھر تمناؤں کے سیل شوق میں بہنے لگا ہو۔ دبی چنگاریاں بھڑک کر شعلہ بننے لگی ہوں۔

نہیں ہرگز نہیں! میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔ اتنی ارزاں نہیں ہے میری زندگی کہ اسے تمہارے ہاتھوں کھلونا بننے دوں۔''

اس نے اپنے آپ کو کسی کمزور لہر کے زور سے نکالا۔ اس کی آنکھوں میں پھر نفرت کے شعلے اٹھنے لگے مگر اندر ہی اندر وہ ریت کی دیوار کی طرح ڈھے رہی تھی اور یہ بڑی تکلیف دہ بات تھی اس کے لئے۔

دوسری صبح ہی وہ تیور دلا چلی آئی اور سیدھی اس کے کمرے میں آئی۔ وہ ابھی نہا کر نکلا تھا۔ تولیے سے گیلے بال پونچھ رہا تھا کہ اس نے وہ خوشبو میں بسا پرچہ اس کے منہ پر دے مارا۔

''کم از کم آپ کو ایسی بچکانہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ آپ اسکول بوائے نہیں ہیں نہ میں وہ پہلے والی احمق سی عینیہ احمر ہوں۔ جو اس طرح کے کھیل سے بہل جاتی تھی۔''

وہ اس حملے کیلئے تیار نہیں تھا۔ پرچہ اس کے چہرے سے مس ہو کر اس کے قدموں میں گر گیا۔ وہ کسی طوفان کا روپ دھارے کھڑی تھی اور واقعی پہلے والی معصوم احمق سی عینیہ احمر نہ دکھائی دے رہی تھی بلکہ اب تو سیدھی دل میں اتر جانے والی' روح کو مہکانے والی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ مسکراہٹ سمٹ آئی۔

''احمق تو خیر تم اب بھی ہو اور پہلے سے کہیں زیادہ دل کش اور ہوش ربا ہو گئی ہو۔''

وہ اپنے حملے کے جواب میں اس طرح کے جملے کے لئے قطعی تیار نہیں تھی۔ سٹپٹا گئی تاہم بکھرتے اعتماد کو سمیٹتے ہوئے درشتگی سے بولی۔

''آئندہ آپ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔''

"کیسی حرکت؟" وہاں وہی اطمینان تھا جو اس کے اطمینان کو غارت کر رہا تھا۔ وہ دانت پیس کر رہ گئی اور جھک کر وہ کاغذ اٹھا کر اس کے آگے لہراتے ہوئے بولی۔

"ایسی۔"

اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے وہ پرچہ لے لیا۔

"کیا ہے بھلا اس میں؟" وہ ایسی نظروں سے اسے دیکھنے لگا کہ اس کی پلکیں کر لمحہ بھر رخساروں پر جھک آئیں دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔

اچانک ہم نے پایا ہے
تمہارے پیار کا جذبہ
تمہارے درد کی قیمت
تمہارا اک حسیں تحفہ

اس کی بھاری آواز جذبوں سے پر ہو کر اس کی سماعت پر برس رہی تھی۔ ... اسے دیکھنے لگا۔ دل میں ہلچل مچا دینے والی نگاہیں تھیں۔

"عینیہ" وہ تمام تر شدتوں کے ساتھ اسے پکارنے لگا۔ "کیوں نہ ہم سب کچھ بھول کر نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کریں۔ میں اپنے فعل پر سخت پشیمان ہوں۔ میں نے یہ سب نہیں چاہا تھا اس طرح تمہیں دکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بس اس وقت ذرا جذباتی ہو گیا تھا۔ طوفان گزر جائے تو بیٹھ کر اس کی تباہیوں پر رونے کی بجائے نئے سر سے تعمیر شروع کرنی چاہیے۔ نئے حوصلے اور امنگوں کے ساتھ، پھر تباہ حال زمین کو رونق بخشنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ اس کے دل میں محشر بپا تھا اس نے کچھ کہنا چاہا کہ خود بخود دو آنسو نکل کر اس کے تپتے رخساروں پر بکھر آئے۔ وہ آہستگی سے پیچھے ہٹی پھر پلٹ کر سرعت سے کمرے سے نکل گئی۔

وہ سخت دل برداشتہ سا ہو کر ہلتے پردے کو دیکھتا رہ گیا۔

مفاہمت کا تصور وہ شاید ذہن سے نکال چکی تھی۔ وہ کسی طرح اس کی خطا

معاف کرنے کو تیار نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر وہ بھی کسی صورت اس سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ اس کی روح کا حصہ بن چکی تھی۔ مگر اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ کس طرح وہ اسے قائل کرے۔ کیسے اپنا دل چیر کر اس کے سامنے رکھ دے، جس میں اس کی محبت بھری پڑی تھی۔

وہ سخت پژمردگی اور دل گرفتگی محسوس کرنے لگا۔ ایک بے چارگی آمیز کرب روح کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

"تیمور ولا" کی ساری رونقیں دم توڑ چکی تھیں۔ ایک ویرانی در و دیوار سے ٹپکتی محسوس ہوتی۔

اماں تو اپنے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ثمن الگ بولائی بولائی پھرتیں۔ کبھی عمر کے پاس آ کر بیٹھ جاتیں جیسے بہت کچھ کہنا چاہ رہی ہو اور کہہ نہ پا رہی ہو۔ فہد کی اس حرکت نے انہیں تیمور ولا میں سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ ہر کوئی جیسے پشیمان پریشان دکھائی دیتا۔

اس روز ثمن اس کے پاس آئی اور بے اختیار ہو کر رو پڑی۔

"عمر! مجھے معاف کر دو۔ مجھے لگتا ہے ان ویرانیوں کا سبب میں ہوں۔ میرے ضمیر پر بہت بوجھ بڑھ گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دم گھٹ جائے گا۔"

وہ اس صورت حال کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ فوری اقدام کیا کرے۔ تبھی اماں جان کمرے میں داخل ہوئیں اور ثمن کو تھام کر اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا۔

ثمن کو بھی یقیناً کسی ہمدرد و غم گسار کی طلب ہو رہی تھی وہ اماں کا کندھا پا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

عمر پریشان سا بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا کمرے میں چکر کاٹنے لگا۔

"عمر! عینیہ تو بلا تقصیر کے اتنے عذاب سہہ رہی ہے۔ اسے تم اپنا لو ورنہ میں تا عمر

تو وہ معاف نہیں کر سکوں گی۔ میں ثمرہ اور عینیہ کے سامنے سر نہیں اٹھا سکوں گی۔ مجھے بہت عزیز ہے ثمر۔ مجھے اس کی بچی کی خوشیاں عزیز ہیں۔"

اس نے جگ سے پانی بھر کر ان کی طرف بڑھا دیا اور پھر خود ہونٹ بھینچے سے باہر نکل گیا۔

وہ عجب قسم کی اضطرابی کیفیت سے دوچار تھا۔ تیمور ولا کی ہر آنکھ اس پر اٹھتی ایک آس لے کر جیسے اب وہی نجات دہندہ ہو۔ مگر وہ کیسے بتاتا کہ وہ لڑکی پتھر بن چکی ہے۔ اس سے اس بری طرح کبیدہ ہے۔

اتنی خود سری تو تم میں کبھی نہ تھی عینیہ۔ یہ تم اتنی سخت دل کیسے ہو گئیں۔" وہ بے زار ہو کر سڑکوں پر گاڑی دوڑانے لگا۔ پشیمانیاں تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ اگر حقیقتاً خوش ہوتی وہ وہ یقیناً پیچھے ہٹ جاتا مگر وہ جانتا تھا کہ اب عینیہ کو اس کے سوا کوئی نہیں سمیٹ سکے گا۔ وہ محض اپنی انا کا خول چڑھائے بیٹھی ہے خود پر۔ اندر سے بری طرح ٹوٹ پھوٹ چکی ہے اور وہ اسے تمام عمر سلگنے کڑھنے کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اس کے اسکول کے سامنے جہاں وہ آج کل پڑھا رہی تھی۔ اسکول آف ہونے پر باہر نکلی تو اسے دیکھ کر چکرا گئی۔ دوسرے پل نظر انداز کرتے ہوئے سڑک کی طرف جانے لگی مگر وہ کر اس کے قریب آ گیا۔

"جا کہاں رہی ہو؟ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھو۔" اس کا لہجہ درشت تھا۔

"اس زحمت کا مقصد؟" وہ کڑے لہجے میں بولی۔ مگر وہ جواب دینے کے بجائے اسے تپ کر دیکھنے لگا۔ دل تو چاہا ایک زناٹے دار تھپڑ بلا لحاظ اس کے منہ پر دے مارے یا اب وہ اسے جھنجھوڑ کر رکھ دینا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہوں نے بہرحال اتنا کیا کہ وہ بغیر حجت گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی مگر بیٹھتے ہی چیخنے لگی۔

"آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں تو مہربانی ہو گی۔ میں آپ کی محتاج نہیں ہوں خود جا سکتی ہوں۔ بلکہ میں اب کسی کی بھی محتاج ہو کر نہیں رہنا چاہتی بہت کر لی سب نے اپنی۔ اب مجھ پر کوئی اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر ڈال دی۔

"آپ اس طرح دھونس سے جیت نہیں سکیں گے۔"

وہ ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور آہستگی سے بولا۔

"جیت میرا مقدر کہاں میں تو بہت پہلے ہار گیا۔ پتا ہی نہیں چلا کب ہارتا چلا گیا۔" اس کے لہجے میں ہلکی آنچ تھی اس کی پلکیں رخساروں پر جھک گئیں وہ گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتی رہ گئی۔

کچھ آگے جا کر اس نے گاڑی روک دی تھی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"عینیہ!" کتنی بے تابیاں تھیں لہجے میں کہ اسے اپنا دل پہلو سے نکلتا محسوس ہونے لگا۔ اسے اپنی دھڑکنیں رکتی محسوس ہوئیں۔ پلکیں اٹھانی چاہیں مگر لرز کر جھک گئیں۔

"میں واقعی ہار گیا ہوں اور تھک چکا ہوں خود سے لڑتے لڑتے اور سچ تو یہ ہے کہ اب تمہیں کھو دینے کا یارا بھی نہیں ہے۔" وہ اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر یکدم اپنا سر اسٹیئرنگ وہیل پر جھکا گیا۔ اس کا لہجہ بے حد ٹوٹا پھوٹا تھا۔

"میں نے زندگی کو بڑے مختلف انداز میں برتا ہے محبتیں بھی ہمراہ رہیں مگر نفرتوں کی شدتوں نے مجھے بڑا کٹھور بنا دیا تھا۔ میں نے کبھی اتنی گہری محبتیں نہیں دیکھیں۔ سو مجھے بھی محبت کرنی نہیں آئی۔ تم اچھی لگتی رہیں مگر اسے میں محض اچھا لگنا ہی سمجھتا رہا۔ مگر جب تم میری دسترس سے باہر ہو گئیں تو مجھے لگا کہ جیسے میں اپنی قیمتی متاع سے دستبردار ہو چکا ہوں۔ اندر سے بالکل خالی ہو چکا ہوں۔ تم فہد سے منسوب ہوئیں تو مجھے اپنے اندر کے انا پرست مرد سے نفرت ہونے لگی کہ اس کے زعم میں میں نے تمہیں گنوایا ہے۔ ٹھیک کہتے ہیں لوگ.... انا محبتوں کے درمیان آ جائے تو بڑے فاصلے لے کر آتی ہے۔ انا اور محبت ایک دل میں بھلا کیسے رہ سکتی ہیں۔" اس نے کہتے کہتے سر اٹھایا تو گھبرا گیا وہ روئے جا رہی تھی۔ آنسو تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اس کے دل میں تیر سا پیوست ہو

گیا۔

"سوری... سوری عینیہ۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" اس نے جلدی سے ٹشو بکس سے چند ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے مگر وہ انہیں تھامنے کی بجائے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اسے ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا احساس تو اسے بھی زندگی کی لذتوں اور خوشبوؤں سے بھرے لئے محروم کر رہا تھا۔ اب تو وہ بھی اسے کھو دینے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی ندامت اور پشیمانیاں اس کے دل پر ضربیں لگانے لگیں۔ وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح بلک بلک رو پڑی۔

"عمر۔ میں بھی تھک چکی ہوں۔ مجھے سمیٹ لیجئے میں بکھر گئی ہوں اور جانتی ہوں آپ کے علاوہ مجھے کوئی نہیں سمیٹ سکے گا۔ میرے دل میں آپ کے علاوہ کبھی کوئی آیا نہ آ سکے گا۔" وہ اپنے اندر کی ساری تھکن اتار دینا چاہتی تھی۔

جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں
وہ سائے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم اقرار کرو
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں

عمر اسے کتنی دیر بے یقینی سے دیکھتا رہا پھر جب اس نے روتے روتے سر اٹھا کر اسے بھیگی بھیگی خوش گوار اور یقین دلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا تو وہ مسرور سا ہو گیا۔

یہ مسکراہٹ اجالا بن کر اس کے اندھیرے کو کاٹنے لگی تھی۔ اس نے بھرپور ذہنی اور دلی آمادگی کے ساتھ اور تمام تر جذبوں کے ساتھ اس کا ہاتھ تھپتھپایا تو اس کے رخساروں پر شفقت پھوٹ پڑی۔ وہ اسکول گرل کی طرح خود میں سمٹ گئی۔

وہ بے حد مسرور انداز میں گاڑی تیمور ولا بھگانے لگا۔ وہ گھبرا گئی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ کہاں جا رہے ہیں؟"

"گھر... ثمن اور دادی بہت پریشان ہیں انہیں تسلی تو دے دوں کہ آپ کی پوتی قابو میں آ چکی ہے۔"

اس کے انداز اور بات پر اسے ہنسی تو بہت آئی مگر مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی پھر شرما کر سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"مجھے شرم آ رہی ہے عمر!"

"بالکل آنی چاہئے۔ یہ تو اچھی بات ہے شرم کب بری چیز ہے۔"

وہ اس کی قطعی نہ سن رہا تھا اور تیمور ولا میں آ کر گاڑی روک دی۔

عینیہ کو ثمن اور اماں کے حیران اور خوش گوار وجود کے پاس چھوڑ کر وہ خود تیزی سے اپنے کمرے میں آیا اور فون سٹینڈ کی طرف بڑھا کہ گھنٹی چیخ اٹھی۔ دوسری طرف فہد تھا۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"میں ابھی تمہیں ہی کال کرنے والا تھا۔" وہ ریسیور اٹھا کر وہیں صوفے پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گیا اس کی بات پر اور کچھ لہجے کی بشاشت پر فہد نے زور سے سیٹی بجائی۔

"اس کا مطلب ہے نیا پار ہو گئی مبارک ہو دوست۔ ویسے بڑے دن لگا دیئے ایک کمزور سی لڑکی تم جیسے چھ فٹ کے مرد کے قابو میں نہ آ سکی۔ چچ۔ میاں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

"معاملہ طاقت کا ہوتا تو بس لمحہ کی بات ہوتی مگر یہاں دل کا معاملہ تھا۔ جذبوں اور احساسات کے زور پر جیتا جانا تھا یار۔" وہ اس کی بات پر محظوظ ہو کر خوش گوار ہنسی کے ساتھ بولا۔ اس کے لہجے کی تازگی سے ہی فہد اس کی خوشی کو محسوس کر رہا تھا۔ پھر بولا۔

"بڑے خوش ہو مگر ادھر میرے لئے تو سوچو میں ایک آدھ چکر لگانا چاہتا ہوں مگر حالات سے باخبر کرو۔ کسی طرح نمٹوں گا سب سے امی تو شاید مجھے گھر میں گھسنے بھی نہ دیں گی۔ خیالی لیزا نے تو یقیناً دھماکا ہی کر ڈالا ہو گا۔"

"ایسا ویسا" وہ بے ساختہ ہنسا۔ "اب سچ مچ کی لیزا ڈھونڈ کر لے آؤ۔ کس نے روکا ہے۔ اس ڈرامے کو حقیقت کا روپ دے ہی دو۔" اس نے چڑایا اور وہ واقعی چڑ کر چیخا تھا۔

"اچھا بابا..... کچھ سوچتے ہیں کہ کس طرح اس ڈرامے کا ڈراپ سین کیا جائے۔" اس نے مزید کہا کہ اچانک اسکی نظریں ثمن اور عینیہ پر پڑیں جو دروازے پر کھڑی اسے خون خوار نظروں سے گھور رہی تھیں۔ پھر عینیہ نے جھٹکے سے ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

عمر ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ دبائے ثمن سے نظریں چرانے لگا جو مصنوعی غصے سے اسے گھورے جا رہی تھی۔

"چیٹر ... بے ایمان۔" عینیہ فون پر فہد پر الٹ پڑی اور فہد عمر کی بجائے عینیہ کی آواز سن کر سٹپٹا گیا۔

"تو دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا" وہ چلائی دوسرے طرف فہد کا قہقہہ برجستہ تھا۔

"مجبوری تھی۔ تم کسی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھیں اور عمر صاحب کی صورت پر مجھے رحم آئے جا رہا تھا۔ ہائے ہائے محبت بھی کس کس طرح ذلیل اور خوار کرتی ہے اچھے خاصے مرد کو۔ اور سو اب تمہیں خبر ہو چکی ہے تو میرے لئے میدان صاف کرو تا کہ میں آسکوں۔"

"ہرگز نہیں۔ اب ہم گوری بھابی کے ہمراہ ہی تمہیں اترنے دیں گے اپنی سرزمین پر۔"

"ہاں خواہ میں ان نازنینوں کے ناز اٹھانے میں مارا جاؤں۔" اس نے جل بھن کر ریسیور رکھ دیا تھا عینیہ ہنستے ہوئے پلٹی پھر ثمن کی طرف بڑھی اور بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

"دکھا آپ نے آنٹی کس کس طرح ہم معصوموں کو دھوکا دیتے ہیں یہ مرد۔" اس کی پنکھڑی جیسے ہونٹوں پر کھل کھلاہٹ تھی اور چہرے پر تازگی۔ ثمن نے اسے لپٹایا ہوا تھا۔ عمر کے لب بھی مسکراہٹ کو چھو گئے۔

اختتام